بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر

سورہ الانفال (۸)

اور

سورہ البراءۃ (۹)

خواجہ عبدالحی فاروقی

مکتبہ جامعہ ۔ دہلی

فہرست مضامین

باب ۱

قانون جنگ

باب ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

تمہید

کائنات عالم کا ایک ایک ذرہ ہمارے لئے عبرتوں اور بصیرتوں کے سینکڑوں خزانے اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے، وفی الافاق وفی انفسکم افلا تبصرون، مگر ہماری غفلت و خود فراموشی کی یہ کیفیت ہے کہ ہم ان عجائبات قدرت کو روزمرہ دیکھتے ہیں مگر ان سے کوئی درس عبرت حاصل نہیں کرتے، اور نہیں جانتے کہ کارساز قدرت نے ان میں کیا کیا حکمتیں رکھی ہیں: یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔

تم نے کبھی اس کرہ ارضی کے کون وفساد کے فلسفہ میں بھی غور کیا کہ ہزاروں شہر آباد ہوتے ہیں، مگر ان میں سے بعض کو تو انسان آب وہوا کی عمدگی اور جغرافیانہ حدود کی خاطر اپنے رہنے کے لئے چن لیتا ہے، اور باقی زاغ وزغن کا آشیانہ بن جاتے ہیں، زمین کی آبپاشی کے لئے سینکڑوں نہریں کھودی جاتی ہیں، لیکن کچھ مدت کے بعد اکثر تو زمین ہی میں جذب ہو کر رہ جاتی ہیں، بعض دوسرے دریاؤں میں مل جاتی ہیں، اور صرف نیل اور فرات ہی کا نام زبانوں پر رہ جاتا ہے، وادی کشمیر کو تو پھولوں ہی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے، جس طرف نگاہ اٹھتی ہے، روح و ریحان وجنت نعیم ہی کا نظارہ دکھائی دیتا ہے، اور ایک سندھ کا ریگستان ہے جو ببول کے کانٹوں اور خاردار جھاڑیوں کے واسطے چن لیا گیا ہے۔

ایک تناور درخت کے سایہ میں تم چھوٹا سا پودا لگاتے ہو مگر چند روز کے بعد وہ مرجھا جاتا ہے

لیکن وہ درخت جس کی جڑیں چاروں طرف دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں، تمام رس چوس لیتا ہے اور اس ننھے پودے کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑتا، جنگل میں ہزارہا قسم کے درخت لہلہا رہے ہیں مگر صرف آبنوس کی لکڑی ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی کنگھیاں بن کر زلف محبوب کی معطر لٹوں سے ہم کنار ہوتی ہیں، اور باقی درخت ایندھن کے کام آتے ہیں، ام تنے سمندروں اور دریاؤں میں بارہا دیکھا ہوگا کہ بڑی بڑی مچھلیاں منہ کھولے ہوئے دریا میں تیرتی پھرتی ہیں، اور جو چھوٹی مچھلی ان کے سامنے آتی ہے اس کو نگل جاتی ہیں، غروب آفتاب کے وقت بہت سے پرندے خوراک کی تلاش میں ہوا میں اُڑتے دکھائی دیتے ہیں، اور مچھر اور بھنگے کو کھا جاتے ہیں، جنگل میں ہزاروں لاکھوں جانور رہتے ہیں، مگر اس کی حکمرانی صرف شیر ہی کو نصیب ہوتی ہے، ہاتھی کا کام ہی یہی ہے کہ صدہا کیڑوں مکوڑوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈے۔

ابھی اور آگے چلو اور عالم معنویات کی سیر کرو، وہاں بھی یہی چیز دکھائی دیگی، کتنی زبانیں بنتی ہیں، پھر ان میں سے کس قدر بقائے دوام کا لباس پہن لیتی ہیں، اور کن زبانوں کی نسبت مردہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے، الہامی کتابیں بہت کثرت سے نازل ہوئیں، مگر ان میں سے کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ملتی، یہ عزت صرف قرآن حکیم ہی کو حاصل ہوئی کہ وہ ہر قسم کی تحریف سے پاک رہا، اور جو الفاظ کہ لسان نبوت پر جاری تھے ہم آج انہیں کی تلاوت کرتے ہیں، اور قیامت تک ایسا ہی رہیگا، سینکڑوں مذاہب و ادیان کے نام ہم ہمیشہ کتابوں میں پڑھتے ہیں، ان میں سے ہر ایک مذہب اپنی اپنی قوم اور ملک کے لئے مخصوص رہا، اور اسلام کو عالمگیر مذہب بننے کی کرامت نوازش کی گئی۔ خیالات و افکار کو دیکھو، دن رات میں بے شمار باتیں ہمارے دماغ میں پیدا ہوتی ہیں مگر جب صبح کو نیند کا خمار جاتا رہتا ہے تو صرف چند باتیں یاد رہ جاتی ہیں، باقی سب بھول جاتے ہیں۔

انتخاب طبعی

ہم نے بغیر کسی ترتیب کے چند باتیں عرض کر دیں، ان پر پھر ایک مرتبہ سرسری نگاہ ڈالو،

اور اس سنت اللہ کو تلاش کرو جو ان سب میں برابر کام کر رہی ہے اسی قانون قدرت کے نتائج ہیں جو روزمرہ تمہاری آنکھوں کے سامنے اس کارگاہ عالم میں ہوتے رہتے ہیں، اگر تم ذرا غور سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ دنیا میں جو چیز پیدا کی گئی ہے وہ بیکار نہیں، بلکہ اس کی پیدائش سے ضرور کوئی نہ کوئی غرض پوری ہوتی ہے، پھر اس کرۂ ارضی کی حالت یہ ہے کہ اس کی ایک انچ جگہ بھی خالی نہیں کہ نئی چیز وہاں آکر اپنا ٹھکانا بنالے، بلکہ اسے اپنی جگہ آپ نکالنی پڑیگی، اور یہ ممکن نہیں جب تک دوسروں کے ساتھ مزاحمت اور کشمکش نہ کرے لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہر چیز میں اپنی زندگی کا عشق اور بقا کی محبت رکھی گئی ہے اس لئے جگہ خالی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ دونوں میں شدید جنگ نہ ہو، اسی کو اصطلاح میں قانون تنازع للبقاء کہتے ہیں۔ گویا ہر چیز اپنے آپ کو باقی رکھنے کے لئے دوسری سے جنگ کرتی ہے، اور اس کوشش میں رہتی ہے کہ اپنے حریف اور مدمقابل کو فنا کر دے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ جنگ زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی، ایک کو بہرحال مغلوب ہونا پڑیگا اور دوسرے کے لئے جگہ خالی کرنی ہوگی، لیکن اس کشمکش میں کامیابی صرف اسی کو نصیب ہوگی جسکے پاس قوت و طاقت ہے، قدرت خود بخود اس کو منتخب کریگی، اور ضعیف کو برباد کر دیگی، اسی کو انتخاب طبیعی یا بقاے اصلح کہتے ہیں۔

اس قدر تمہید کے بعد اب تم ان تمام چیزوں کو ایک مرتبہ دیکھ جاؤ جن کو ہم ابھی بیان کر آئے ہیں جنگل کے تمام جانور کوشش کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک جنگل کا بادشاہ بن جائے، مگر قدرت کی نظر انتخاب شیر ہی پر پڑتی ہے کہ وہی سب سے زیادہ صاحب اثر و نفوذ ہے، اور بکری صرف اسی لئے پیدا ہوئی ہے کہ اپنے بادشاہ کے لئے تر نوالہ کا کام دے۔ ہمارے خیالات میں باہمی کشمکش ہوئی، اور ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ میں تو زندہ رہوں اور باقی سب کو وقف نسیان کر دوں، مگر اس جنگ میں صرف بہترین خیالات کا نقش فی الحجر بن کر رہ گئے اور دوسروں کو ہمیشہ کے لئے فراموش کر دیا گیا۔ دنیا میں ہر روز سینکڑوں چیزیں ایجاد کی جاتی ہیں،

مگر تم دیکھو کہ موچی اور لوہار کا فن تو آج ہر گاؤں اور قصبہ میں رونق پر دکھائی دیتا ہے، لیکن کیمیا کا نام ہی نام کتابوں میں رہ گیا ہے، اس لئے کہ یہ چیز انسانوں کے لئے بالکل بیکار تھی، اور لوہار اور موچی کا کام نسل انسانی کے لئے بے انتہا مفید تھا، پس قدرت نے اصلح کو چن لیا اور غیر ضروری کو فنا کر دیا۔

ان گزشتہ سطروں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کائنات عالم کا ایک ایک ذرہ جنگ میں مصروف ہے مگر غلبہ صرف اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کے قبضہ میں طاقت ہوتی ہے، اور جو کمزور ہوتا ہے اس کو فنا کر دیا جاتا ہے کہ دنیا ضعیف کا مقتل اور طاقت والوں کے لئے بہشت ہے۔

قوموں کی جنگ

اب تم ان سب کو چھوڑ کر انسانی آبادی میں آؤ اور اس کی انفرادی و اجتماعی حالت میں غور کرو تو یہاں بھی وہی قانون قدرت کارفرما نظر آئیگا، ایک انسان اپنے آپ کو باقی رکھنے کے لئے تمام ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے جن سے اس کو قوت حاصل ہو، وہ اپنے وجود کے عشق میں صدہا جانوروں کا گوشت کھا جاتا ہے اسلئے کہ ان سب کے مقابلہ میں وہی زیادہ طاقت والا اور دنیا میں زندہ رہنے کا حق رکھتا ہے، اس کے بعد تم اجتماعی طور پر بھی دیکھو تو طاقتور گھرانے اور حکومتیں کمزور نسلوں اور قوموں کو مقابلہ میں شکست دیدیتی ہیں، جس قوم کے پاس قوت ہو وہ کہتی ہے کہ زمین میرے لئے ہے اس دعوی کے سنتے ہی تمام کمزور قومیں اس کے آگے جھک جاتی ہیں، اور اس کے لئے اپنی جگہ خالی کر دیتی ہیں، جب مصطفےٰ کمال پاشا کی تلوار نے یورپ پر واضح کر دیا کہ وہ سب سے زیادہ تیز ہے تو کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ تجربہ کے لئے اپنی گردن پیش کرے بلکہ تمام مغرور حکومتوں نے خود بخود اس کے مطالبات کو تسلیم کر لیا، یہ بھی بقائے اصلح ہے۔

القرآن الحکیم

اب تک جو کچھ بیان ہوا، وہ صرف چند مثالیں تھیں کہ اس قانون کی ہمہ گیری ذہن نشین

ہوجاسے ورنہ وہ تو کائنات عالم کے ایک ایک ذرّہ کو احاطہ کئے ہوئے ہے، لیکن اس نظریہ کی طرف سب سے پہلے قرآن حکیم نے توجہ دلائی کہ وہی العلم ہے، اس کتاب عزیز کا ایک تہائی حصہ قانون تنازع للبقاء اور انتخاب طبعی کے بیان پر مشتمل ہے، نور اور ظلمت، حق اور باطل اور پھر سب سے آخر اسلام اور کفر میں جو جنگ ہے وہ اسی قانون کا ایک شعبہ ہے اور ان دونوں میں سے بقا صرف اس کو نصیب ہوتی ہے جو قوت وطاقت میں زیادہ ہو، ہم پہلے تنازع للبقاء کی چند جزئیات ذکر کرینگے،

جزئیات تنازع للبقاء

(۱) مخالفین اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہیں کرسکتے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا فائدہ حاصل ہو۔

مایود الذین کفروا من اھل الکتٰب ولا المشرکین ان ینزل علیکم خیر من ربکم، (۲: ۱۰۵)	کافر اہل کتاب اور مشرکین نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی خیر و برکت نازل ہو۔

(۲) اہل کتاب یہ جاننے کے باوجود کہ اسلام سچا دین ہے محض حسد اور کینہ کی وجہ سے اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو دین حق سے برگشتہ کرکے کافر بنا دیں:

ود کثیر من اھل الکتٰب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق، (۲: ۱۰۹)	اس بات کے بعد بھی کہ اہل کتاب پر حق ظاہر ہوچکا ہے، دلی حسد کی وجہ سے یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد تم کو کافر بنا دیں۔

(۳) یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے ہمیشہ جنگ کرتے رہینگے تاکہ دنیا سے اسلام مٹا دیں:

ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم	اور کافر تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک

اور یہ تم کو دین سے لوٹا دیں

عن دینکم ان استطاعوا (۲: ۲۱۷) | کہ تم کو تمہارے دین سے لوٹا دیں۔

(۴) کافروں کی عادت ہے کہ لوگوں کے سامنے اسلام پر اعتراضات کرتے رہیں تاکہ عوام الناس کے دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہو جائے:

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواہہم | یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں

(۵) اہل کتاب اور مشرکین ہمیشہ ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے، اس لئے ان کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی جماعتوں میں اختلاف پیدا کر دیں، ان کی حکومتیں ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں، اور ان میں کسی قسم کا رابطۂ اتحاد قائم نہ رہے، جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو پھر ایک ایک کرکے سب کو اپنی قوت وطاقت سے برباد کرنا شروع کر دیتے ہیں:

ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء	اگر کافر تم کو پائیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں، اور
ویبسطوا الیکم ایدیہم والسنتہم	برائی کے ساتھ اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تم پر چلائیں
بالسوء وودوا لو تکفرون (۶۰ : ۲)	اور وہ یوں آرزو کریں کہ تم سب کے سب کافر بن جاؤ

(۶) جس وقت اصحاب کہف اللہ پر ایمان لے آئے، اور انہوں نے اس امر کا صاف طور پر اعلان کر دیا کہ ہم صرف ایک ہی پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں اور اب ہمارا سر اسکے سوا اور کسی ہستی کے آگے نہیں جھک سکتا تو ان کی یہ حق پرستی اس ملک کے قانون میں سب سے بڑا جرم ٹھہری، اور ان عشاق حق کے لئے صرف جنگلوں کے بھٹ اور پہاڑوں کے غار ہی امن وعافیت کے گوشے رہ گئے، اور بالآخر وہ آبادی کو چھوڑ کر ایک پہاڑ کی غار میں چھپ گئے:

انہم ان یظہروا علیکم یرجموکم	واقعی وہ لوگ اگر تمہاری خبر پا جائینگے تو تمکو سنگسار
او یعیدوکم فی ملتہم ولن تفلحوا اذا	کر دینگے یا پھر تم کو اپنے دین میں لے جائینگے، اور
ابدا (۱۸ : ۲۰)	تب تمہیں ہرگز فلاح نہ ہوگی۔

(۷) جب جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، تو صرف اسی جرم کی پاداش میں فرعون ان سب کو پھانسی دینا چاہتا ہے:

لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ثم لاصلبنکم اجمعین، (۷: ۱۲۴)	میں تمہارے مخالف ہاتھ اور پاؤں کاٹونگا، پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دونگا۔

(۸) یہود و نصاریٰ کبھی بھی مسلمانوں سے خوش نہ ہونگے، ان کی رضامندی کے حاصل کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنا مذہب ترک کردیں اور ان کے دین کو قبول کرلیں۔

ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصٰری حتیٰ تتبع ملتھم، (۲: ۱۲۰)	جب تک تم یہود و نصاریٰ کا مذہب قبول نہ کروگے وہ تم سے کبھی خوش نہ ہونگے

(۹) اہل کتاب ہمیشہ ایسی تجویزیں سوچتے رہتے ہیں جن سے اسلام کو نقصان پہنچے، اس کی حکومتوں میں بداخلاقی پھیلے اور اس طرح آہستہ آہستہ تمام بدکاری کا گھر بنجائیں:

ویتنٰجون بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول، (۵۸: ۸)	گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔

(۱۰) مخالفین اپنے آپ کو شریف اور مہذب اور مسلمانوں کو رذیل اور وحشی کہتے ہیں، اس لئے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو حکومت سے محروم کرکے انکے بہترین مقامات پر قبضہ کرلیں:

لیخرجن الاعز منھا الاذل، (۶۳: ۸)	عزت والا یہاں سے ذلیل کو نکال دیگا۔

فلسفہ جنگ

دنیا میں سینکڑوں قوتیں مصروف عمل ہیں مگر ان کا ظہور نہیں ہوتا جب تک ان کا باہمی تصادم نہ ہو، سمندر کی موجوں میں تلاطم موجود ہے مگر معلوم اسی وقت ہوگا جب ہوا کے تیز و تند جھونکے پانی کو تھپیڑے مارینگے، عطر کی شیشی اگر بند کی بند ہی رہے تو وہ

مشام جان کو معطر نہیں کر سکتی، اس کی بوے جانفزا بار بار کے ملنے ہی سے پھیلتی ہے، اخلاق بھی ایک عظیم الشان قوت ہے اگر انسان جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا تو اسکے تمام اخلاقی کمالات پہاڑ کے تاریک غاروں میں چھپ کر رہ جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرزند آدم کو اخلاق کی نمائش کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، اسلئے رہبانیت کو ناجائز قرار دیا، اسلئے کہ انسان کا اخلاقی جوہر بھی دنیا کی دوسری قوتوں کی طرح تصادم اور کشمکش ہی کے ذریعہ ممتاز ہو سکتا ہے۔

جنگ سے انسان کو سخت ٹھوکر لگتی ہے اس کا نظام اخلاق بالکل بدل جاتا ہے، اور وہ قوتیں ابھر آتی ہیں جو اب تک پوشیدہ تھیں جو قومیں ہمیشہ جنگ میں مصروف رہتی ہیں ان میں شجاعت ایک قومی سیرت بن جاتی ہے، وہ بالطبع اولوالعزم، بلند حوصلہ، باضابطہ، مشقت پسند، اور فیاض ہوتی ہیں، ان میں چستی و چالاکی آجاتی ہے، میدان جنگ میں نہ صرف اپنی حفاظت کرنی پڑتی ہے بلکہ دوسروں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے، اس لئے خود غرضی کی جگہ دوسروں کی اعانت کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے عصبیت اور قومی الفت و محبت کا ولولہ ظہور کرتا ہے۔

علوم و فنون کی ترقی کا بہترین ذریعہ بھی جنگ کے سوا اور کوئی نہیں، دور و دراز کی سیر و سیاحت کا شوق بھی اس سے پیدا ہوتا ہے، اگر ہندوستان پر سکندر رومی اور مسلمانوں کے حملے نہ ہوتے تو یہاں علم کی جگہ جہالت اور تہذیب کی جگہ وحشت ہوتی، اگر مسلمان یورپ میں داخل ہو کر عیسائی ممالک پر قبضہ نہ کرتے اور حروب صلیبیہ میں اہل کتاب کو متواتر شکستیں نہ ہوتیں تو یورپ آج اس اوج کمال پر نہ ہوتا اور تمدن کے نام سے ناآشنائے محض ہوتا۔

آج جس قدر جھگڑے ہیں، فسادات رونما ہوتے ہیں، اختلافات کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کو چیرنے پھاڑنے کی فکر میں رہتا ہے، تو ان سب کا بہترین فیصلہ بھی صرف

تلوار کی نوک ہی کر سکتی ہے، تم نہیں دیکھتے کہ یورپ کے متعصب عیسائیوں نے ترکوں کی نسبت کیسی کیسی بدگمانیاں پھیلادی تھیں، ان کو یورپ کا مرد بیمار کہا جاتا تھا، ان کو تہذیب کا دشمن اور تمدن کا مخالف کہا جاتا تھا، وہ حکومت کرنے کے ناقابل تھے، مگر اپنے گردو پیش نظر دوڑاؤ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ آج وہی یورپ ان کو مہذب بھی کہتا ہے، اپنی سفید رنگ حکومتوں میں اس کو شامل بھی کرتا ہے، اور اخبارات ہیں کہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے تلوار کے زور سے یورپ پر واضح کر دیا کہ طاقت ہمارے پاس ہے اور ان کے جو کمالات اب تک مخفی تھے، سب کی آنکھوں کے سامنے آگئے، اور انہوں نے بتادیا کہ ہم مرد ہیں۔

متمدن اقوام

اب تم میدان جنگ کو چھوڑ کر شہروں کے گلی کوچوں کی سیر کرو، رات کو پولیس کے سپاہی پاسبانی کرتے ہیں، اسلئے جب کبھی شہریوں کے سامنے چور اور ڈاکو کا نام لیا جاتا ہے تو وہ کانپ اٹھتے ہیں، اور بزدلی کا اظہار کرتے ہیں، ان کو صرف اپنی جان کی حفاظت کا خیال دامن گیر ہو جاتا ہے، اور اس خود غرضی و نفس پرستی کی وجہ سے دوسروں کی امداد سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، ان کی عصبیت جاتی رہتی ہے، یہی پولیس کی نگرانی ان کے اندر نامردی، پست ہمتی، اور عیش پرستی پیدا کر دیتی ہے، ان کی تمام تر توجہ فنون لطیفہ کی طرف ہو جاتی ہے، رقص و سرود میں انہیں لطف آتا ہے، لہو و لعب کو وہ پسند کرتے ہیں اور بالکل عورتیں بن جاتے ہیں قیصر و کسریٰ کی حکومتیں عیش پرستی کی وجہ سے صرف عورتوں ہی سے آباد تھیں، اس لئے عرب کے جنگجو مرد اٹھے، اور انہوں نے آناً فاناً تمام ممالک پر قبضہ کر لیا۔

جب شیر کو پنجرے میں بند کر دیا جاتا ہے تو اس کی قوت مردمی جاتی رہتی ہے اور اس کی نسل ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جاتی ہے، پانی کو اگر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے

تو اس میں بو پیدا ہو جاتی ہے، اور کسی کے استعمال کے قابل نہیں رہتا، اسی طرح جو قومیں جنگ نہیں کرتیں آہستہ آہستہ ان کی نسل کم ہو جاتی ہے، یورپ میں فرانس کے لوگوں کو سب سے زیادہ رقص و سرود کا عاشق کہا جاتا ہے، اور اسی کو سب سے بڑھکر اس امر کی شکایت ہے کہ اس کی نسل میں روز بروز کمی ہوتی جاتی ہے، اسکے مقابلہ میں جرمنی کو دیکھو جس نے جنگ کا بیڑا اٹھایا تو اس کی نسل میں اس قدر افزائش ہوئی کہ اسکو نو آبادیات کی تلاش ہوئی۔

ہیٹ مین ویل اپنی مشہور کتاب تصادم اقوام میں ایک جگہ جنگ کی بربریت اور خوفناکی کا ذکر کرتا ہوا اس کے مفید ترین نتائج کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا خیال ایک قابل تعریف جذبہ ہے لیکن اگر اس کے لئے بہترین میدان عمل کی تلاش ہے جہاں اس کی اعلیٰ طریق سے تربیت اور ظہور ہو تو وہ میدان جنگ کے سوا اور کوئی نہیں، خوفناک خوں ریزی اور دہشت انگیز جدال و قتال ہی اس کا بہترین ذریعہ ہے یہ بالکل ٹھیک ہی کہ تم مخالفت، جنگ، قتل و غارت گری اور اچانک موت کے خوف سے بچنا چاہتے ہو، مگر یاد رہے کہ ماضی کامرانی کی صرف یہی ایک امید افزا صورت ہے، اسی سے قومی سیرت پختہ ہوتی ہے، اور اسی سے انسانوں میں فتح یا موت کا عزم صمیم پیدا ہوتا ہے۔"

سیلے اپنی شہرۂ آفاق کتاب توسیع انگلستان میں محکوم اقوام کی ذلیل خصلتوں اور جمود پر یوں رقمطراز ہیں:

"جو قومیں زمانہ دراز تک دوسروں کی محکوم رہیں، اور انہیں دشمنوں سے جنگ کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے تو یہی ان کی ذلت و نکبت کے لئے موثر و قوی ترین وجہ ہے۔"

کتاب مبین

دنیا میں قرآن حکیم ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام اختلافات کے لئے حکم اور ظنون واوہام کے لئے کتاب مبین ہے، اس نے تیرہ صدی پیشتر ان تمام حقائق کو بے نقاب کر دیا جو انسانی نظروں سے پوشیدہ تھے، اور جس نے اپنے فلسفیانہ انداز میں ان تمام بصیرتوں اور دانائیوں کو صرف ایک ہی آیت میں بیان کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا، ہم نے جنگ کی جس قدر برکات حوالۂ قلم کی ہیں، ان کو پھر ایک مرتبہ ذہن نشین کر کے حسب ذیل آیات کی تلاوت سے حلاوت اندوز ہو:

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین، (۲: ۲۵۱)	اور اگر خدا ایک جماعت کو دوسری جماعت کی مدافعت کی قوت نہ دیتا تو دنیا برباد ہو جاتی، لیکن خدا تو تمام نظام عالم کو اس کی تمام احتیاجات و ضروریات بخشنے والا ہے، اسلئے تمام دنیا پر قوت کو تقسیم کر دیا۔

دوسری جگہہ فرمایا:

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا، (۲۲: ۴۰)	اگر خدا ایک جماعت کو دوسری جماعت کی مدافعت کی قوت نہ دیتا تو حق اور صداقت کا دنیا میں کوئی محافظ نہ رہتا، اور خدا پرستی مظلوم ہو کر فنا ہو جاتی، شریعت کی تعلیم گاہیں اور معبد منہدم ہو جاتے، صلوٰۃ الٰہی کا ادا کرنا جرم بن جاتا، اور وہ تمام مسجدیں اجڑ جاتیں جن میں خدائے واحد کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک جماعت کی سچائی، اور دوسری کے بطلان کی تحقیقت بھی اسی جنگ سے

معلوم ہو سکتی ہے:

لیحق الحق ویبطل الباطل، (۸ : ۸)	تاکہ حق کو حق، اور باطل کو باطل کر دے،

دنیا میں امن و امان نہیں قائم ہو سکتا جب تک تلوار ہاتھ میں نہ لی جائے، اور صلح کی آرزو نہیں پیدا ہو سکتی جب تک سطح زمین پر انسانوں کا خون نہ بہایا جائے:

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ، (۸ : ۳۹)	اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے، اور سب اللہ کا دین ہو جائے

اللہ کے دین کی پیروی ہو

سورہ محمد میں فرمایا:

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا، (۴۷ : ۴)	پس جب تمہاری کافروں سے مٹ بھیڑ ہو تو انکی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کا خون بہا چکو تو مضبوط باندھ لو، پھر اس کے بعد یا احسان کرو اور یا معاوضہ لیکر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔

مسٹر برٹرینڈ رسل، جنگ کے ختم ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ بالکل ممکن ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں علوم و فنون کی ترقی اس درجہ پر پہنچ جائے کہ باہمی تحاسد و تباغض کے جذبات خبیثہ دو مختلف قوموں میں موجزن ہوں ان کی آپس میں نہایت ہی خوفناک جنگ ہو اور اس طرح انسانیت کا خاتمہ ہو جائے گویا جنگ کے نیست و نابود کرنے کی بہترین صورت خود جنگ ہی ہے!"

فرضیت جہاد

ان گزشتہ تصریحات سے جہاں آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ مخالفین اسلام برابر

اس فکر میں رہتے ہیں کہ دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں، حق کی جگہ باطل کا فروغ ہو، علم اور تہذیب کی جگہ جہالت اور بربریت کا دور دورہ ہو، اور امن کی جگہ فتنہ و فساد کھڑا ہو جائے، وہاں یہ حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ جنگ در اصل دنیا کے لئے آیۂ رحمت ہے، یہی تمام علوم حقہ اور صحیح عقائد کی اشاعت کا سبب بنتی ہے، اس کی وجہ سے انسانی جذبات، ملکوتی خصائل، اور قومی سیرت کی تکمیل ہوتی ہے، یہی قوموں میں شریفانہ احساس، خودداری، عصبیت، بلند حوصلگی، فیاضی اور قربانی پیدا کرتی ہے، اور اسی کے ذریعہ سے قانون بقائے اصلح کا نفاذ ہوتا ہے، اسلئے ضروری ہوا کہ وہ شریعت جو بانگ دہل اپنی تکمیل کا اعلان کرتی ہے: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا، (۵: ۳) آج میں تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر چکا، اور تم پر اپنا احسان پورا کیا، اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کیا۔ اپنے مقلدین کو جہاد کی تعلیم دے، چنانچہ کتاب و سنت نے نہایت ہی تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالی، اور اس کے ہر گوشہ پر بحث و نظر کی، ایک جگہ فرمایا:

کتب علیکم القتال و هو کره لکم و عسی ان تکرهوا شیئا و هو خیر لکم و عسی ان تحبوا شیئا و هو شر لکم (۲: ۲۱۶)	تم پر جہاد فرض کیا گیا، اور وہ تم کو گراں ہے، اور عجیب نہیں کہ تم ایک چیز کو گراں سمجھو، اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو، اور عجیب نہیں تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔

دوسرے مقام میں یوں ارشاد ہوا:

یا ایها النبی جاهد الکفار و المنفقین و اغلظ علیهم، (۹: ۷۳)	اے نبی! ان کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان کے ساتھ نہایت ہی سختی کرو۔

سورۂ انفال میں آتا ہے:

یا ایها النبی حرض المومنین	اے نبی! مسلمانوں کو جنگ کرنے کی

على القتال، (۸: ۶۵) | ترغیب دو۔

لیکن جہاد بغیر سامان جنگ کے ممکن نہیں، اس لئے جدید ترین آلات حرب سے مسلح رہنے کے لئے ہر ہر مسلمان کو فرداً فرداً حکم ہوا کہ جس طرح وہ اپنی انفرادی زندگی کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، ایسے ہی حیات اجتماعی کے باقی رکھنے کی فکر کرے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم، (۸: ۶۰)

اور جہاں تک ہو سکے انکے لئے قوت اور گھوڑے باندھے ہوئے مہیا کرو تاکہ ایسا کرنے سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو

جب جہاد فی سبیل اللہ نوع انسانی کے ملئے برکات الٰہیہ کے صدہا مخفی خزانے کھول دیتا ہے، اور اس پر ہر قسم کی رحمتوں کے دروازے مفتوح ہو جاتے ہیں، تو ظاہر بات ہے کہ بنی آدم کی خیر خواہی کے لئے اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالنا کس قدر مفید نتائج پیدا کریگا، اور جس شخص کا دل اس ولولۂ جہاد سے خالی ہو، اور اس کے قلب میں زندگی بھر ایک مرتبہ بھی نوع انسانی کی خدمت کا خیال پیدا نہ ہوا ہو، اس سے بڑھ کر بھی کوئی دوسرا شخص بدنصیب ہو سکتا ہے، اور اگر وہ اسی حالت میں مرگیا تو دربار رسالت سے اسکی نسبت یہ فتویٰ صادر ہوتا ہے کہ وہ منافق کی موت مرا:

من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه به مات على شعبة من النفاق (مسلم)

جس شخص نے نہ تو کبھی جہاد میں شرکت کی اور نہ اس کے دل میں اس کا شوق پیدا ہوا، اور وہ اسی حالت میں مرگیا، تو وہ نفاق کی موت مرا

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ای الناس افضل، بہترین انسان کون ہے، آپ نے فرمایا: مومن یجاهد بنفسه وماله وہ مسلمان جو اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی راہ میں قربان کر دے۔ ترمذی میں ہے:

من رابط ليلة فى سبيل الله كانت له كالف ليلة صيامها وقيامها جس شخص نے

صرف ایک رات سرحد اسلام کی پاسبانی کی اس کو ایک ہزار دن کے روزوں اور
ایک ہزار شب کے قیام کا ثواب ملیگا ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ
تبوک کے لئے تین سو اونٹ دربار رسالت کی نذر کئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: لا یضر عثمان ما عمل بعد ھا (ترمذی) اس کے بعد اگر عثمان کوئی نیکی
نہ کرے تو اُسے کوئی چیز بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ فوراً جنت میں داخل ہوگا۔

جس وقت تمام عالم اسلامی پر غیروں کا حملہ ہو رہا ہو اس وقت تو ایک لمحہ کے
لئے بھی جہاد میں شریک ہونا کرۂ ارضی کی تمام نعمتوں اور لذتوں سے بہتر ہوتا ہے :
لغدوۃ او روحۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیہا ۔ ایک دوسری روایت
میں آتا ہے: خیر مما تطلع علیہ الشمس والقمر (بخاری) جہاد فی سبیل اللہ میں
صبح یا شام کے وقت جانا دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو پھر
جنت کی نعمتیں دیکھنے کے بعد کسی کو دنیا میں واپس لوٹنے کی آرزو نہیں ہوتی لیکن شہید
بار بار خداوند قدوس سے عرض کرتا ہے کہ میں پھر دنیا میں جاؤں، اور تیرے نام پر دوسری
مرتبہ ذبح ہوؤں تاکہ تیرے کلمہ حق کے لئے جان دینے کی لذت ایک ہی مرتبہ نہ ختم ہو جائے:
ما من عبد یموت لہ عند اللہ خیر یسرہ ان یرجع الی الدنیا وان لہ الدنیا
وما فیہا الا الشہید لما یری من فضل الشہادۃ فانہ یسرہ ان یرجع الی الدنیا
فیقتل مرۃ اخری۔ (بخاری) بلکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ وہ دس
مرتبہ بار بار اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی آرزو کرتا ہے : فیقتل عشر مرات لما یری
من الکرامۃ۔

سبحان اللہ! ایک مجاہد کے لئے کس قدر اجر و ثواب کا وعدہ دیا گیا ہے، ترمذی
میں ہے: مقام احدکم فی سبیل اللہ خیر من عبادۃ احدکم فی اھلہ ستین
سنۃ۔ جہاد فی سبیل اللہ کی شرکت، خواہ وہ تھوڑی سی دیر کے لئے ہو، تمہاری ساٹھ

سال کی عبادت سے بہتر ہے، مسند امام احمد میں ہے: حرس لیلة فی سبیل اللہ افضل له من الف لیلة یقام لیلها ویصام نهارها، ایک شخص ہزار رات برابر نماز میں مصروف رہے، اور ایک ہزار دن کے روزے رکھے، مگر اس سے وہ مجاہد فی سبیل اللہ بازی لے جاتا ہے جو صرف ایک رات کے لئے لشکر اسلام کی پاسبانی کرتا ہے، کس قدر مبارک ہے وہ آنکھ جو رات بھر صرف اس لئے کھلی رہی کہ عساکر اسلامی کی چوکیداری کرے: وحرمت النار علی عین سهرت فی سبیل اللہ، (احمد) وہ آنکھیں کبھی دوزخ میں نہیں داخل ہو سکتیں جو میدان جہاد میں لشکر کی حفاظت کریں، ان پاؤں کی خاک آنکھوں کا سرمہ بنانے کے قابل ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر غبار آلود ہوئے ہوں: من اغبرت قدماه فی سبیل اللہ ساعة من نهار فهما حرام علی النار (احمد) جو پاؤں ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے ہوں، پھر وہ جہنم میں داخل نہیں ہو سکتے۔

مقصد کا تعین

ہمارے سابقہ بیان سے یہ بات معلوم ہو گئی ہو گی کہ جہاد فی سبیل اللہ قوموں کو غلام بنانے کے لئے نہیں کیا جاتا، اس کا مقصد انسانوں کی آبادیوں کو برباد کرنا نہیں، دوسروں کی جائداد پر قبضہ کرنا نہیں، بلکہ اس کی انتہائی غرض تعلیم صحیح کی اشاعت، فتنہ و فساد کی روک تھام، بیکسوں کی دستگیری، اور عاجز و درماندہ انسانوں کی نگرانی ہے، سورۂ بقرہ میں ہے:

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین للہ، (۲: ۱۹۳) | اور ان سے یہاں تک لڑو کہ فساد باقی نہ رہے اور ایک اللہ کا طریق رہ جائے۔

گویا جنگ جو کی جاتی ہے تو اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ فساد کا خاتمہ ہو، کیونکہ اگر دنیا میں بدنظمی رہی، اور فتنہ کا وجود باقی رہا تو ایک شخص بھی آرام سے زندگی بسر نہ کر سکیگا، دین الٰہی برباد ہو جائیگا، ارباب حق ظلم و جور کا شکار ہونگے اور انسانی ترقی بالکل رک

جائیگی، اس لئے فرمایا:

والفتنة اکبر من القتل، (۲: ۲۱۷)	اور مار ڈالنے سے بھی زیادہ خطرناک فتنہ کا وجود ہے

اور اگر یہ جنگ نہ ہو تو دغاباز لوگ حق کا نام و نشان مٹادینگے، اور باطل کو فروغ دینگے، جس کا نتیجہ نہایت ہی دردانگیز ہوگا۔

ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموٰت والارض، (۲۳: ۷۱)	اور اگر سچائی اُن کی خواہشات کا اتباع کرے تو تمام زمین و آسمان میں فتنہ برپا ہوجائیگا، اور پرستاران حق کے لئے کوئی گوشۂ عافیت بھی باقی نہ رہیگا کہ اللہ کا نام تو لے سکیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص جہاد میں حمیت قومی کی خاطر شریک ہوتا ہے، دوسرے کو جذبۂ وطنیت اس کام پر برانگیختہ کرتا ہے، کسی کو شہرت و ناموری کا خیال ہوتا ہے، تو انہیں سے کس کی نسبت یہ فیصلہ کیا جائیگا کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قاتل لتکون کلمة اللہ ھو العلیا فھو فی سبیل اللہ، جو شخص صرف سچائی کی بادشاہت قائم کرنے کے خیال سے لڑتا ہے وہی فی سبیل اللہ مجاھد کہلانے کا مستحق ہوگا، تو اس حدیث میں بھی یہی بتانا تھا کہ جہاد کا مقصد قتل و خوں ریزی اور لوٹ مار نہیں، بلکہ کلمۂ حق کی خسروی کا اعلان ہے۔

جہاد کا مقصد اسکے سوا اور کیا ہے کہ عاجزوں، درماندوں، عورتوں اور بچوں کو ظالموں کے ہاتھ سے نجات دلائی جائے، اگر ایسا نہ کیا تو ان لوگوں کی زندگی تلخ ہوجائیگی:

ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریة الظالم اھلھا (۴: ۷۵)	تم خدا کی راہ میں ضعیف مردوں، عورتوں اور بچوں کے بچاؤ کے لئے کیوں نہیں جنگ کرتے حالانکہ وہ دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جہاں کے باشندے بڑے ظالم ہیں۔

گویا دنیا میں ایک مسلمان کا وجود صرف اسلئے ہے کہ وہ ظلم وجور کو روکے، کسی پر تعدی نہ ہونے دے، اور حق کو بلند و برتر کرے، جو قومیں دوسروں کی غلام ہیں، اور آزادی کی آرزو مند، ان کو آزاد کرانے میں سرگرم کوشش کرے، اور ہر ایک کی امداد و اعانت کے لئے ہر لمحہ و ہر آن پا در رکاب رہے۔

مسلمان کے خون کی قیمت

یہ سچ ہے کہ کلمہ حق کی اشاعت اور دنیا کو تہذیب سکھانے کی جدوجہد میں جس قدر زیادہ ارزانی میں کسی شخص کا خون بہایا جا سکتا ہے وہ ایک مسلم ہی کا خون ہے، اس لئے کہ وہی خیر امۃ اخرجت للناس کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے، وہی شہداء علی الناس کے درجہ پر فائز کیا گیا ہے، اور دنیا کے عقائد صالحہ کے قیام کے لئے وہی ایک ذمہ دار ہستی ہے، اللہ تعالیٰ اسی امر کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے کہ اسکے عشاق کی رگ گلو پر میدان جنگ میں چھری پھرے، اور وہ اپنے ہی خون میں تڑپیں، ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانہم بنیان مرصوص، لیکن یہ یاد رہے کہ زمانہ امن میں مسلم کی جان سے بڑھ کر اور کوئی گراں قدر چیز ہی نہیں:

وانا لنرخص یوم الروع انفسنا

میدان جنگ میں ہم اپنی جان عزیز کو نہایت ہی ارزاں کر دیتے ہیں،

ولو نسام بھا فی الامن اغلینا!

لیکن امن کے زمانہ میں سب سے زیادہ گراں قدر بھی ہم ہی ہوتے ہیں۔

حریش بن ہلال کہتا ہے:

نعرض للسیوف اذا التقینا وجوھا لا تعرض للطام

ہمارے گرامی قدر رخسارے جو صرف شرف و مجد کے لئے مخصوص ہیں اور آج تک کسی کی طاقت نہ ہوئی کہ ان پر تھپڑ مار سکے وہ جنگ کے روز تلواروں کے سامنے کر دئیے جاتے ہیں۔

اس لئے قرآن حکیم نے سب سے پہلے ایک مسلمان کے خون کی قیمت ہی بتا دی کہ جو اس نفس قدسی پر ہاتھ ڈالے وہ نتائج کو پیش نظر رکھکر اس جرم کا مرتکب ہو: ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا، وغضب اللہ علیہ، ولعنہ، واعد لہ عذابا عظیما، (۴: ۹۳) جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھکر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ کی ہمیشگی ہے، اللہ کا غضب ہے، اس کی پھٹکار ہے اور بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو اس کے لئے تیار ہو چکا ہے۔

احادیث نے اس کو اور زیادہ کھولکر بتایا ہے، بخاری میں ہے: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، اور اسے قتل کرنا کفر ہے، ایک دوسری روایت ہے: ابی اللہ ان یجعل لقاتل المومن توبۃ (طبرانی فی الکبیر) خدا نے قاتل مسلم کی توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، نسائی میں ہے: کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الامن مات مشرکا، او قتل مومنا متعمدا، امید ہے کہ اللہ ہر قسم کے گناہ معاف کر دیگا بجز اس کے جو شرک پر مرا، یا جس نے جان بوجھکر مسلمان کو قتل کیا، ترمذی میں ہے: لو ان اھل السماء والارض اشترکوا فی دم مومن لکبھم اللہ فی النار، اگر زمین و آسمان کی تمام مخلوق بھی ایک مسلمان کے خون میں شریک ہو تو خدا سب کو جہنم میں جھونک دیگا،

حجۃ الوداع کے روز آپ نے ایک مفصل خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا: لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض، میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اسی دوران میں آپ نے بیت الحرام کو مخاطب کر کے فرمایا: ماطیبك واطیب ریحك! ما اعظمك واعظم حرمتك! والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المومن اعظم عند اللہ حرمۃ منك، ومالہ ودمہ وان نظن بہ خیرا،

اے کعبہ! تو کتنا عظیم ہے، اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے، لیکن اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، ایک مومن کی حرمت خدا کی نظر میں تیری حرمت سے زیادہ ہے، اور یہی عزت اس کے مال اور خون کو بھی حاصل ہے، ہمارا کام یہی کہ اس سے حسن ظن رکھیں، ترمذی میں ہے: زوال الدنیا اھون عند اللہ من قتل رجل مسلم، ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں تمام دنیا کی بربادی کچھ بھی قیمت نہیں رکھتی۔

قتل مسلم تو بڑی چیز ہے، اس محترم ہستی کو ہتھیار سے ڈرانا بھی جرم قرار دیا گیا، ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص اپنے حقیقی بھائی کو مارنے کے لئے تیار نہ ہوگا لیکن اس کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی شریعت کی نظر میں بہت بڑا گناہ اور لعنت کا مستحق ہے: من اشار الی اخیہ بحدیدۃ فان الملائکۃ تلعنہ حتی یدعہ وان کان اخاہ لابیہ و امہ (مسلم) جو کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے، فرشتے اسے لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اشارہ کرنا بند کردے، اگرچہ وہ اپنے حقیقی بھائی کی جانب ہی اشارہ کر رہا ہو۔ طبرانی میں ہے: لا تروعوا المسلم، فان روعۃ المسلم ظلم عظیم، مسلمان کو مت دھمکاؤ کیونکہ اسے دھمکی دینا بہت بڑا ظلم ہے۔

عالمگیر برادری

جب مسلمان کے خون کی یہ قیمت ہے تو ضروری تھا کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا جاتا خواہ وہ اس کرۂ ارضی کے کسی گوشہ میں آباد ہوتے، اس لئے قرآن حکیم نے رنگت و نسل کا امتیاز کئے بغیر سب کو بھائی قرار دیا: فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (۳: ۹۸) اللہ کے فضل سے تم اب ایک دوسرے کے بھائی ہو، انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم، (۴۹: ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس جب دو بھائیوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرا دو، بخاری میں آتا ہے: لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، تم میں سے کوئی کامل مسلمان نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے

وہی چیز پسند نہ کرے جسکو وہ اپنے لئے چاہتا ہو، مسلم میں ہے: لاتدخلون الجنة حتی تومنوا، ولا تومنوا حتی تحابوا، جنت میں داخل ہونے کے لئے ایمان اولین شرط ہے، لیکن تم میں سے کوئی مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ (دوسرے مسلمان سے محبت نہ کرے۔ بخاری و مسلم دونوں میں ہے: لا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تناجشوا، ولا تناغضوا، ولا تدابروا، ولا تنابزوا، وکونوا عباد اللہ اخوانا، ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، باہم کینہ اور عناد نہ رکھو، بدگوئی نہ کرو، اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہوجاؤ۔ بخاری میں ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ مسلم میں ہے: المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقره، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، پس اپنے بھائی کے ساتھ نہ تو ظلم کرے، نہ اُسے ذلیل کرے، اور نہ اس کو حقیر جانے۔ ایک حدیث میں یہاں تک زور دیا: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یحد النظر الی اخیه (بخاری) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو نہ چاہئے کہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف تیز نظروں سے گھورے، بلکہ جب مسلمان کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھے، اسی محبت اور چاہت کو قائم رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث (بخاری) تین دن سے زیادہ دو مسلمانوں کو آپس میں جدا رہنا حرام ہے: ترمذی میں ہے: ملعون من ضار مومنا او مکر به، وہ شخص خدا کی رحمت سے دُور ہوگیا جس نے مسلمان کو ضرر پہنچایا یا اسکے ساتھ فریب کاری کی۔

فضیلت و برتری

جب دنیا میں محترم ہستی صرف ایک مسلمان ہی کی ہے، تو یہ بالکل ظاہر ہے کہ قانون انتخاب طبیعی کے مطابق صرف اسی کو یہ حق پہنچ سکتا تھا کہ وہ اس کرۂ ارضی پر حکمرانی کرے تاکہ اس کا وجود امن عالم کا ذمہ دار ہو، اور زمین میں خدائے واحد کی بادشاہت قائم ہو،

اسلئے قرآن حکیم نے نہایت ہی کثرت سے قانون بقائے اصلح کو بیان کرتے ہوئے اس امر کو واضح کیا کہ مسلمان ہی کامیاب ہونگے، اور انکے مخالف پست ہمتی کا اظہار کرینگے:

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله (۶۱ : ۹)	اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا کہ اسکو تمام ادیان پر غالب کردے،

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین، (۳ : ۱۳۸)	ہمت نہ ہارو، اور رنج نہ کرو، اگر تم مسلمان ہو تو تم ہی غالب رہوگے۔

سورۂ عنکبوت میں آتا ہے:

ام حسب الذین یعملون السیّات ان یسبقونا، ساء ما یحکمون، (۲۹ : ۴)	جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں، کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم سے نکل بھاگیں گے کتنا بُرا حکم کرتے ہیں۔

اور (۱) والعاقبة للمتقین، اور (۲) ان حزب الله هم المفلحون، اور (۳) ان جندنا لهم الغالبون، اور (۴) کتب الله لاغلبن انا ورسلی چند آیات ہیں جو اس حقیقت پر مُہر لگاتی ہیں کہ انجام کار تنازع للبقاء میں مسلمان ہی غالب رہینگے، اور کفار ذلیل ہوں گے، چنانچہ فرمایا:

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا، (۱۷ : ۸۱)	کہدے کہ حق آیا اور باطل نابود ہوا، یقین کرلو کہ باطل صرف نابود ہونے کے لئے ہے۔

سورۂ یونس میں آتا ہے:

ان الله سیبطله ان الله لا یصلح عمل المفسدین، (۱۰ : ۸۱)	اللہ باطل کو عنقریب محو کر دیگا، وہ مفسدوں کو کبھی کامیابی نہیں دیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو مخاطب کرکے فرمایا:

ان اللہ لا یھدی کید الخائنین (۱۲ : ۵۲) | خیانت کرنے والونکو اللہ یوں ترقی نہیں دیا کرتا۔

صداقت نے ہمیشہ یہی دعویٰ کیا ہے کہ کامیابی عنقریب تم کو بتا دیگی کہ حق پر کون ہے، اور باطل پر کون اصرار کر رہا ہے:

یقوم اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من تکون له عاقبة الدار انه لا یفلح الظلمون، (۶ : ۱۳۶)	اے لوگو! تم اپنی جگہہ کام کرو، میں بھی کام کر رہا ہوں عنقریب جان جاؤگے کہ انجام کار کس کے لئے ہے، اللہ کبھی ظالموں کو فلاح نہیں دیتا۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو تکلیف دیتا ہے، مگر دیکھو انجام کیا ہوتا ہے:

فاخرجنهم من جنت وعیون وکنوز ومقام کریم، کذلک واورثنها بنی اسراعیل، (۲۶ : ۵۷، ۵۸، ۵۹)	پس ہم نے قوم فرعون کو باغوں، چشموں، خزانوں اور عمدہ مقام سے نکال باہر کیا، اسی طرح ہمنے کیا، اور بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔

جب حضرت نوح علیہ السلام کو دشمنوں نے تنگ کیا تو نتیجہ کیا نکلا؟

فانجینه ومن معه فی الفلك المشحون، ثم اغرقنا بعد الباقین، (۲۶ : ۱۱۹ و ۱۲۰)	پس ہم نے نوح اور اسکے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا، اور اسکے بعد باقی لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا۔

کفار کی عادت ہی یہی ہے کہ وہ دنیا میں تعلیم صحیح کی اشاعت کو روکیں، اور کسی شخص کو بھی اس پر عمل نہ کرنے دیں، اسلئے ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے:

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدنهم عذابا فوق العذاب بما کانوا یفسدون، (۱۶ : ۸۸)	جن لوگوں نے کفر کیا، اور خدا کی راہ سے مسلمانوں کو روک دیا، ہم انکے عذاب پر عذاب بڑھائیں گے اس لئے کہ وہ فساد کرتے تھے۔

آلات حرب کی فراہمی

دنیا میں صرف قوت ہی کو کامیابی نصیب ہوتی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ چونکہ حق ہی میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے اس لئے باطل کے مقابلہ میں وہی باقی رہیگا، لیکن اس بقا کے لئے ضروری ہوگا کہ حامیان صدق ہر وقت جدید ترین آلات حرب سے مسلح رہیں، ورنہ مخالفین ان کو برباد کر دینگے، اور کبھی ان کے عہدناموں کی پابندی نہیں کی جائیگی، اس لئے کتاب و سنت نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ ہر قسم کا سامان جنگ تیار رکھیں کہ صرف اس کی کثرت دشمنوں کو ہیبت زدہ رکھیگی، سورۂ انفال میں فرمایا:

واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون به عدو اللہ وعدوکم، (۸ : ۶۲)	اور جہاں تک ہو سکے ان کے لئے قوت اور گھوڑوں کے باندھ رکھنے سے مہیا کرو، تاکہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھالو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر زور دیا کہ قوت و طاقت کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ حکومت اسلامی کی ہر طریق سے مدد کریں، کہیں صدقات و خیرات کا اجر و ثواب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

من انفق نفقة فی سبیل اللہ کتبت له سبعمأته ضعف	جس شخص نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کچھ چندہ دیا تو اسکے نامۂ اعمال میں سات سوگنا ثواب لکھا جائیگا۔

عدی بن حاتم نے آپ سے پوچھا: ای الصدقة افضل، بہترین صدقہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: خدمة عبد فی سبیل اللہ، اوظل فسطاط فی سبیل اللہ، او طروقة فحل فی سبیل اللہ، مجاہدین کی خدمت کے لئے اپنا غلام وقف کر دینا، یا ان کے آرام کی خاطر خیمہ لگادینا، یا اونٹنی دینا۔ ترمذی میں آتا ہے: من جھز غازیا فی سبیل اللہ فقد غزی، ومن خلف غازیا فی اھله فقد غزی، جس نے غازی کو سامان جہاد دیا، یا اس کی غیر حاضری میں اس کے اہل وعیال کی نگرانی کرتا رہا، اس کو

بھی مجاہد کے برابر ثواب ملیگا۔

ہرایک انسان اپنی انفرادی زندگی کے باقی رکھنے کے لئے مجبور ہے کہ روزی کمائے اور اپنا پیٹ پالے، ٹھیک اسی طرح ہر مسلمان کا فرداً فرداً فرض ہے کہ اُمت مسلمہ کے بچانے کے لئے فنون جنگ کی تعلیم حاصل کرے، اور آلات حرب سے ہر وقت مسلح رہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو شوق دلانے کے لئے فرمایا: من رمی بسہم فی سبیل اللہ فھو لہ عدل محرر، (ترمذی) جس نے جہاد فی سبیل اللہ میں ایک تیر چلایا، اس کو ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملیگا، آپ نے صرف اسی گھوڑے کی تعریف کی جس کو مالک صرف اسلئے پرورش کرتا ہے کہ جنگ میں اس سے خدمت لیجائیگی: الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الیٰ یوم القیٰمۃ، الخیل ثلاثۃ، ھی لرجل اجر وھی لرجل ستر، وعلیٰ رجل وزر، فاما الذی ھی لہ اجر فالذی یتخذھا فی سبیل اللہ فیعد ھالہ ھی لہ اجر لا یغیب فی بطونھا شیئاً الا کتب اللہ لہ اجراً، قیامت تک کے لئے گھوڑے کی پیشانی میں خیر و برکت مقدر کردی گئی ہے، گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں، بعض تو اپنے مالک کے لئے اجر و ثواب کا باعث بنتے ہیں، کچھ اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں، اور بعض اس کی مصیبتوں کا سبب بنتے ہیں، اجر و ثواب صرف اس گھوڑے کی وجہ سے ملتا ہے جس کو محض جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے پرورش کیا جائے، اس کے پیٹ میں جو چیز بھی جاتی ہے، اس کا ثواب آقا کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

ترمذی میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ سے دریافت کیا کہ تم لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ نوع انسان میں سے بہترین شخص کون ہے، پھر آپ نے فرمایا: رجل ممسک بعنان فرسہ فی سبیل اللہ، اعلیٰ ترین انسان وہ ہے جو ہر وقت گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا ہے کہ اسے کب جہاد کا حکم ملے، اور وہ فوراً سوار ہو کر میدان جنگ میں جاکر داد

شجاعت سے، ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا: ای الناس افضل، بہترین فرزند آدم کون ہے! آپ نے فرمایا: رجل یجاھد فی سبیل اللہ، صرف مجاہد فی سبیل اللہ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اعلیٰ ترین انسان کہا جائے۔

ہم نے مختلف قسم کی روایات جمع کر دی ہیں جن کے بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق خود سامان جہاد کی تیاری کرے، یہی ایک صورت مسلمانوں کے باقی رہنے کی ہو سکتی ہے اور اگر انہوں نے اس میں ذرا سستی سے کام لیا تو ان کی کمزوری سے مخالفین فائدہ اٹھا کر ان کو برباد کر دینگے، کیونکہ باطل پرستوں میں بھی اپنی بقا کا عشق موجود ہے، پس ان کی فریب کاریوں اور فتنہ پردازیوں کی روک تھام اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ تمام دنیا کے مسلمان ہر قسم کا سامان جنگ اپنے پاس رکھیں۔

لیکن ان احادیث سے یہ شبہ نہ ہو کہ ان میں صرف گھوڑے کی سواری اور تیر اندازی پر زور دیا گیا ہے، بلکہ یہ چیزیں زمانہ رسالت میں قوت کا باعث تھیں، اسلئے لسان نبوت نے ان کا تذکرہ کر دیا، ورنہ اصلی منشا آپ کا یہ تھا کہ ہر قسم کا جدید ترین سامان حرب مسلمانوں کے پاس ہونا ضروری ہے، چنانچہ ہم نے سورۂ انفال میں اس کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے اور جن ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے ان کے نام درج کر دیے ہیں کہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔

جنگ اور جہاد

مخالفین اسلام عموماً اور یورپ کے رہنے والے خصوصاً جب جہاد کا نام سنتے ہیں تو کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، حالانکہ اگر وہ ذرا سمجھ سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جہاد یکسر رحمت ہے، اور نوع انسانی کے لئے صدہا برکتوں کا موجب، مسلمانوں کو کتاب و سنت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے، جنگ کی اجازت

ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں دی گئی، اس لئے کہ دونوں ایک دوسرے کے خط مستقیم مخالف ہیں، جنگ میں انسان کو پوری آزادی حاصل ہوتی ہے، وہ کسی عہدنامہ کی پروا نہیں کرتا، وہ اپنی بات کا پابند نہیں رہتا، اور ہر قسم کے وحشیانہ جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔

قانون جنگ کی رو سے پھٹنے والے گولوں کا استعمال جائز نہیں، مگر جب بوئروں اور انگریزوں میں جنگ ہوئی تو انگریزوں نے ان گولوں سے کام لیا، دم دم کی گولیاں سخت ہلاکت انگیز اور ممنوع الاستعمال ہیں، مگر انھوں نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ان کو ہندوستانیوں پر استعمال کیا، جب دشمن ہتیار ڈالدے، اور حریف کی اطاعت قبول کرلے تو پھر اس پر ہتیار اٹھانا جائز نہیں، مگر تسلیم بلونا کے بعد بھی آدھ گھنٹہ تک روسی توپ خانہ نے بلونا پر گولہ باری کی، تجارتی بندرگاہوں پر گولہ پھینکنا ممنوع ہے لیکن اطالیہ نے ۱۹۱۱ء میں ساحل بیروت پر گولہ باری کی، غیر مسلح جوانوں، بوڑہوں، عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا جائز نہیں، مگر طرابلس کے نخلستانوں اور مقدونیہ و تھریس کے میدانوں میں بلاتمیز ہر مسلمان کو قتل کیا گیا، سوڈان کو فتح کرنے کے بعد دشمن کی لاش کو قبر سے نکال کر لٹکایا گیا۔

جو لوگ جنگ کو پسند کرتے ہیں، وہ دیکھیں کہ اس سفاکی و بربریت کے بعد بھی کوئی سلیم الفطرت انسان ان واقعات کی تائید کر سکتا ہے، لیکن یہ نتائج ہیں جو جنگ کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، اس کے برخلاف ایک مسلمان کہتا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوں تو اس لفظ کے کہتے ہی وہ دراصل اپنے اوپر صدہا پابندیاں عائد کرلیتا ہے جو کتاب و سنت نے اس پر لازم کردی ہیں، اور وہ گویا تمام دنیا کو امن اور سلامتی کا پیغام دیدیتا ہے کہ اب اس کی بے پناہ تلوار صرف انہی لوگوں کی رگ گلو پر پڑیگی جو اس کی راہ ترقی میں رکاوٹ پیدا کرینگے، خود اس کے ہاتھ پاؤں بندہ جائینگے، اور وہ ان حدود سے تجاوز نہیں کرسکیگا، اسے حکم دیا گیا:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا، (۲ : ۱۹۰)

صرف ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے لڑتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو۔

اسے صاف طور سے کہا جاتا ہے کہ جب دشمن ہتھیار ڈال دے تو تم بھی فوراً قتل و قتال سے رک جاؤ:۔

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظلمین، (۲ : ۱۹۳)

پس اگر وہ لڑنے سے باز آجائیں، تو اس صورت میں ظالموں ہی کو نشانہ بنایا جائے۔

اگر وہ صلح کی درخواست کریں تو اسی وقت اپنی تلوار نیام میں کر لو:

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ، (۸ : ۶۳)

اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور اللہ پر اعتماد کرو۔

جبکہ مخالفین اسلام لوگوں کی عبادت گاہوں، مندروں، گرجوں اور مسجدوں کو دوران جنگ میں لطائف الحیل سے کام لیکر مسمار کر دیتے ہیں، تو اس وقت بتایا جاتا ہے کہ ایک مسلمان اسلئے جہاد کرتا ہے کہ ہر قوم کے عبادت خانے دشمنوں کی دست برد سے محفوظ ہو جائیں، اور لوگ اطمینان قلب کے ساتھ خدا کی بندگی کر سکیں:

اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا، وان اللہ علی نصرھم لقدیر، الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ، ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا، (۲۲ : ۳۹، ۴۰)

ان لوگوں کو جہاد کی اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور بیشک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، وہ جو اپنے گھروں سے بلاوجہ اتنی بات پر نکالے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر خدا ایک جماعت کو دوسری جماعت کی مدافعت کی قوت نہ دیتا تو حق اور صداقت کا دنیا میں کوئی محافظ نہ رہتا، اور خدا پرستی مظلوم

ہوکر فنا ہوجاتی، شریعت کی تعلیم گاہیں اور معبد منہدم ہوجاتے، صلوٰۃ الٰہی کا ادا کرنا جرم بنجاتا، اور وہ تمام مسجدیں اُجڑ جاتیں جن میں خدائے واحد کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جہاد کے لئے اولین اجازت اسی آیت سے ثابت ہوتی ہے جو بے انتہا مظلومیت کے بعد دی گئی اور اسی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جہاد کی اصلی غرض کیا ہے، یعنی لڑائی کی اجازت اس لئے دی جاتی ہے کہ دنیا میں امن قائم ہو، اور ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہو، نیز یہ کہ اگر اسلام کی حکومت قائم ہوجائیگی تو مسلمان اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دینگے، اور بری باتوں سے روکیں گے یعنی اسلامی حکومت کا ساری دنیا پر قائم ہونا ساری دنیا کی اصلاح اور امن وامان کا واحد ذریعہ ہے، اور دنیا کی صلاح و فلاح اسی میں ہے کہ اس پر اسلام کی حکومت ہو۔

قرآن حکیم نے صاف صاف کہہ دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ نہیں ہوسکتی:

(الف) الا الذین یصلون الیٰ قوم بینکم وبینہم میثاق، (۴: ۹۰)	جو لوگ ایسی قوم سے عہد کرتے ہیں جن سے تمہارا عہد ہے۔
(ب) اوجاؤکم حصرت صدورھم ان یقاتلوکم اویقاتلوا قومھم (۴: ۹۰)	یا وہ جو حاضر ہوکر ظاہر کردیں کہ وہ تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے میں رُک گئے ہیں۔

کیا ان تصریحات کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جہاد کا مقصد قتل و خونریزی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ فوج کو کسی مہم پر بھیجتے تو ارشاد فرماتے:

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا	کسی کہن سال کو، بچے کو، کم سن کو، اور عورت

ولا صغیراً ولا امرأۃً" (ابوداؤد) | کو قتل نہ کرو۔

عام طور پر فوج کو مخاطب کر کے یوں فرماتے ہیں:

اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ، اغزوا، ولا تغلوا ولا تغدروا، ولا تمثلوا، ولا تقتلوا ولیداً،	اللہ کا نام لیکر اس کی راہ میں جنگ کرو، صرف کفار کو قتل کرو، جہاد کرو لیکن خیانت اور بد عہدی سے بچنا، کسی کی ناک کان نہ کاٹنا نہ کسی بچے کو قتل کرنا،

ایک مرتبہ آپ کو اطلاع ملی کہ لڑائی کے دوران میں ایک عورت کو قتل کیا گیا ہے، آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا، ایک دفعہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ اسلامی فوج نے تمام راستے بند کر دیئے ہیں، اور اس سے راہ گیروں کو تکلیف ہو رہی ہے آپ نے فرمایا جو ایسا کریگا وہ ثواب سے محروم رہیگا، سنن ابی داؤد میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:

غزوت مع النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس المنازل وقطعوا الطریق فبعث نبی اللہ منادیا ینادی ان من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ۔	میں ایک جنگ میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر قبضہ کر کے ان کو تنگ کیا اور لوٹ مار کی۔ آپ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جو دوسروں کے گھروں میں تنگ کرے یا لوٹ مار کرے اس کا جہاد قبول نہیں۔

اسوۂ حسنہ

جہاد فی سبیل اللہ اور جنگ کے درمیان ہم نے اوپر جو کچھ فرق بیان کیا ہے، وہ محض الفاظ ہی نہیں ہیں جو شرمندہ معنی نہیں ہوئے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بہترین جانشینوں نے ان کو عملی جامہ پہنا کر دکھا دیا کہ دنیا میں صرف ایک

مسلمان ہی اپنے اقرار کا پابند رہ سکتا ہے۔ یورپ کی موجودہ تاریخ تمام رسے بہانے ہی جس میں بدعہدی کے سوا اور کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی حالانکہ یہی عیسائی حکومتیں سب سے زیادہ تہذیب و شائستگی کی دعویدار ہیں، لیکن اس زمانہ کو دیکھو جس کو موجودہ تہذیب سے کوئی تعلق نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ حیثیت سے اس سرزمین میں داخل ہوتے ہیں جہاں ان پر سب سے زیادہ مظالم کیے گئے ہیں، جس جگہ اس کے رفیقوں کو گرم سنگریزوں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا ہے، قانون اس امر کی اجازت دیتا تھا کہ تمام سرزمین حرم میں خون کی ندیاں بہادی جائیں، اور ایک دشمن بھی باقی نہ رہے لیکن جب خدا کا رسول، امن کا پیغامبر، مجسمۂ رحمت، اور سلامتی کا پیکر اس میں داخل ہوتا ہے، تو وہ حسب ذیل اعلان کرتا ہے:

(۱) جو کوئی شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۲) جو کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۳) جو کوئی شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۴) جو کوئی شخص ابوسفیان کے گھر جا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۵) جو کوئی شخص حکیم بن حزام کے گھر جا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۶) بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔
(۷) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔
(۸) اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۰ رمضان کو خود خدا کا برگزیدہ رسول شہر میں داخل ہوتا ہے، سر جھکا ہوا ہے، سورۂ فتح کی تلاوت ہو رہی ہے، اونٹ کی سواری پر بیت اللہ کو جا رہا ہے، اور اونٹ پر اپنے ساتھ اپنے آزاد کردہ غلام زید کے فرزند اسامہ کو سوار کیے ہوئے ہے۔ اب تم ایک قدم اور آگے بڑھو، جس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام

کے لشکر کو روانہ کرتے ہیں تو فوج کے سامنے حسب ذیل خطبہ دیتے ہیں:

یاایھا الناس قفوا اوصیکم بعشر فاحفظوھا عنی، لا تخونوا، ولا تغلوا، ولا تغدروا، ولا تمثلوا، ولا تقتلوا طفلا، ولا شیخا، ولا کبیرا، ولا امراءۃ، ولا تعقروا نخلا، ولا تحرقوہ، ولا تقطعوا الشجرۃ المثمرۃ ولا تذبحوا شاۃ، ولا بقرۃ، ولا بعیرا الا لماکلۃ ، وسوف تمرون باقوام قد فرغوا انفسھم بالصوامع فدعوھم وما فرغوا انفسھم، وسوف تقدمون علی قوم یاتوکم بانیۃ فیھا الوان الطعام فاذا اکلتم منھا شیئا بعد شی فاذکروا اسم اللہ علیھا و تلقون اقواما قد فحصوا اوساط رؤسھم وترکوا حولھا مثل العصائب فاخفقوھم بالسیف خفقا، اندفعوا باسم اللہ افناکم اللہ الطعن والطاعون۔

لوگو! ٹھیرو میں تمہیں دس حکم دیتا ہوں انہیں خوب یاد رکھو، خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، سردار کی نافرمانی نہ کرنا، کسی شخص کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا، کھجور یا کسی اور میوہ دار درخت کو نہ کاٹنا نہ جلانا، بکری، گائے یا اونٹ کو غذا کی ضرورت کے سوا ذبح نہ کرنا، تم ایسے لوگوں سے ملوگے جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھے ہونگے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا، تمہیں ایسے آدمی ملیں گے جو تمہارے پاس مختلف قسم کے کھانے برتنوں میں رکھکر لائینگے، جب انہیں کھاؤ تو ہر ایک پر اللہ کا نام لینا، تمہیں ایسے لوگ ملیں گے جن کے سر کے بال بیچ میں منڈے ہونگے، انہیں تازیانہ کی سزا دینا، خدا کا نام لیکر روانہ ہو، خدا تم کو دشمن کے ہتھیار اور طاعون سے محفوظ رکھے۔

یہ الفاظ اپنی شرح آپ کر رہے ہیں، اور مزید تفسیر کے محتاج نہیں۔ حضرت عمرؓ کا داخلہ بیت المقدس تو اس درجہ زبان زد خاص و عام ہے کہ اس پر لکھنے کی ضرورت نہیں اور

پھر یہ ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا، بلکہ اسلامی تاریخیں اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں یہاں تو صرف اشارہ مقصود تھا۔

حکومت اور جہاد

گزشتہ اوراق میں بہت تفصیل سے ہم اس حقیقت پر گفتگو کر چکے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وہ انسانوں کو غلام بنائے، نوآبادیات کے لئے دوسروں کے ممالک پر چھاپہ مارے، تجارتی اغراض کی خاطر غیروں کی جائداد پر قبضہ کرے، اور سرمایہ داری کے اصول کی خاطر ادنیٰ قوموں کو اپنی غلامی میں لائے جیسا کہ آج باوجود ادعائے تہذیب وشائستگی اور صلح وامن بد بختانہ یورپ کی سفید رنگ آبادی کر رہی ہے، وہ یورپ ادنیٰ اقوام کی حفاظت کو آڑ بنا کر اسلام کے مقابلہ میں صلیب کی جنگ کھڑی کرنا چاہتا ہے، اور موصل کے تیل کی خاطر ترکوں کو ان کے موروثی حق سے محروم کرنے کی فکر میں ہے۔ برخلاف اس کے جہاد کی اصلی غرض وغایت قوموں کی آزادی، غریبوں کی اعانت، ان کے حقوق کی حفاظت اور کلمہ حق کی نشر واشاعت ہے، من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، فھو فی سبیل اللہ کے الفاظ بانگ دہل اس حقیقت کا اعلان کر رہے ہیں کہ اسلام نہ تو یورپ کی مفروضہ قومیت کا دلدادہ ہے جس کا عفریت آج ہر تعلیم یافتہ کے سر پر سوار ہے اور نہ وہ وطنیت کے بے معنی لفظ کو اپنے اغراض فاسدہ کے لئے آڑ بناتا ہے، بلکہ وہ ان سب سے بالاتر ایک عام انسانی برادری کا پیغامبر ہے، جس میں ابیض واسود، اور رومی وشامی کی کوئی تمیز نہیں، وہ انسانوں کے حقوق کا نگران کار اور ہر جگہ صرف سچائی کو حکمراں دیکھنے کا آرزومند ہے۔

اجیبوا داعی اللہ

آج دنیا میں ظلم وجور کی حکومت ہے، خیالات فاسدہ کا دور دورہ ہے، جوع الارض نے یورپ کی مسیحی اقوام کو درندوں اور بھیڑیوں کی طرح ایشیائی اقوام کے لئے خون آشام

بنا دیا ہے، فراعنۂ عصر کی استبدادیت نے انسانی آزادی کو سلب کر لیا ہے، قومیت اور وطنیت کے بے معنی الفاظ نے نوع انسانی کا خیال دلوں سے دور کر دیا ہے، بعض افراد نے دعوی مہدویت و مسیحیت کر کے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے بالکل دور کر دیا ہے، بعض کج فہموں اور کوتاہ اندیشوں نے اس کو مدافعانہ جنگ پر محمول کیا ہے، لیکن تم یقین کرو کہ ان میں سے ایک بات بھی ذرہ برابر سچائی اپنے اندر نہیں رکھتی، قرآن حکیم کے الفاظ اس قسم کی رکیک تاویلات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

مسلمان تو خیر امۃ کے معزز ترین لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں، تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر تو ان کا طغرائے امتیاز ہے، دنیا سے برائی کو دور کرنا اور نیکی کا پھیلانا تو مسلم کے اولین فرائض ہیں، پھر کیا اب وقت نہیں آیا کہ مسلمان قرآن حکیم کی حقیقت سے خوب واقف ہوں، اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کلمۂ حق کی آواز پہنچا دیں، اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار ہوں:

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق،
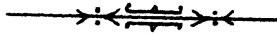
الانفال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

سورۃ الانفال

(رکوع: ۱۰- آیات: ۷۵)

سورۃ کا نام

انفال، نفل کی جمع ہے جس کے معنی زیادتی کے ہیں، جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی غرض و غایت تو قانون الٰہی کی نشر و اشاعت، باطل پرستارانہ قوتوں کا ابطال و استیصال، اور رضائے الٰہی کی تلاش و جستجو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مال و اسباب کو بھی مسلمانوں کے لئے حلال و طیب قرار دیا ہے جو فتح و کامرانی کے بعد حاصل ہو، اس جگہ انفال سے مراد مال غنیمت ہے جیسا کہ ابن عباس، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کی رائے ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں جنگ بدر، اس کے حالات و واقعات، اور ثمرات و نتائج پر بحث کی گئی ہے، اس لڑائی میں مسلمانوں کو باوجود قلت تعداد، فقدان اسباب، اور ضعف ظاہری کے جنود ضلالت پر غلبہ و اقتدار حاصل ہوا، کفار کے بڑے بڑے سردار مارے گئے،

اور جو باقی بچے ان کو گرفتار کر لیا گیا، اس کے علاوہ بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا، مگر تقسیم میں اختلاف رائے ہوا، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ اس کو صرف لڑنے والوں ہی پر تقسیم کیا جائے، اس منازعت کے رفع و انسداد کے لئے سورۂ انفال کا نزول ہوا، جس میں ان قواعد و کلیات کو بیان کیا گیا جن کے ماتحت مال غنیمت تقسیم کیا جا سکتا ہے، چونکہ اس سورۃ میں مال غنیمت کی تقسیم کے قوانین و ضوابط تعلیم دیئے گئے ہیں، اس لئے اس کا نام الانفال قرار پایا۔

ترتیب نزول

آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ اس سورۃ میں تمام تر تذکرہ جنگ بدر ہی کا ہے، اسی ایک لڑائی سے مختلف ثمرات و نتائج اخذ کر کے ان کو ایک مستقل قانون جنگ کی صورت میں مدون و مرتب کر دیا ہے، ظاہر ہے کہ جنگ بدر، ہجرت کے دوسرے سال وقوع میں آئی ہے، اس لئے ہم اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتے ہیں کہ اس سورہ کا نزول بھی دوسرے ہی سال ہوا ہوگا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سورۃ مدینہ ہی میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ حسن، عکرمہ، جابر بن زید، عبداللہ بن زبیر، اور زید بن ثابت کی یہی رائے ہے، ابن عباس کا اس کو سورۃ البدر کے نام سے تعبیر کرنا بتاتا ہے کہ اس کا نزول مدینہ ہی میں ہوا ہے، رکوع نمبر ۹ میں معاندین اسلام کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مختلف قسم کے عہود و مواثیق کئے مگر انجام کار وہ اپنے الفاظ پر قائم نہ رہ سکے، اور نقض عہد کے مرتکب ہوئے، اور پھر یہ ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا، بلکہ اس جرم کا بارہا ارتکاب کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو بھی سرزمین مکہ پر چڑھائی کرنی پڑی کہ ان مخالفین کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا کر دیا جائے، تاکہ آیندہ ان کو سر اٹھانے کا خیال بھی نہ آئے، اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ دونوں رکوع فتح مکہ سے قبل یا بعد نازل ہوئے ہیں۔

آیات نمبر ۳۰ تا ۳۶ کے متعلق بعض لوگوں کی رائے ہے کہ وہ مکہ مبارکہ میں نازل ہو چکی تھیں، لیکن اول تو اس دعوی کے تسلیم کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی خارجی شہادت موجود

نہیں، دوسرے اکثر علمائے کرام اس طرف گئے ہیں کہ یہ سورۃ تمام و کمال مدینہ ہی میں نازل ہوئی ہے، ان آیات میں صرف گزشتہ واقعات کا تذکرہ ہے، اور غالباً اسی بنا پر ان لوگوں نے یہ رائے قائم کرلی کہ ان کا نزول بھی مکہ ہی میں ہوا ہوگا، حالانکہ ان کے بیان کرنے سے اصلی مقصد یہ تھا کہ مسلمان ایسے دشمنوں کے مقابلہ میں اور زیادہ جوش و ولولہ اور صبر و استقامت سے کام لیں۔

ماقبل سے ربط

سورۂ اعراف میں مختلف انبیائے کرام کے حالات و واقعات بیان کرکے بتایا تھا کہ انہوں نے کس طرح اپنی اپنی قوم کو ہدایت و سعادت کی طرف دعوت دی، اور پھر اس سعی و کوشش کا کیا انجام ہوا، اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات پر روشنی ڈالی کہ وہ اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے کس قدر خواہاں تھے: لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم، اندیشہ تھا کہ یہ بڑھتی ہوئی خواہش آپ کی تکلیف کا باعث نہ بن جائے، اس لئے لسان الٰہی کو یہ کہنا پڑا: لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین، اور انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء، اور انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر، مگر ایسے رحیم و شفیق نبی کو اس کی قوم نے ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی، طائف کے لڑکوں نے اس پر پتھر پھینکے، اور قبائل مکہ نے شب کے وقت اس کو جان سے مار ڈالنے کی سازش کی۔

سورۂ اعراف میں کفار قریش کی نسبت فرمایا تھا کہ جب ان کی مرضی کے مطابق معجزات کا ظہور نہیں ہوتا، اور رسول اللہ ان کی خواہشات و مالوفات کی پیروی نہیں کرتے تو وہ تنگ آکر کہتے ہیں: واذا لم تاتھم بایۃ قالوا لولا اجتبیتھا، (۷: ۲۰۲) اس سورۃ میں اس کا جواب دیا گیا کہ جب قرآن حکیم کا نزول ہوتا ہے، اور یہ لوگ اس کی آیات کو سنتے ہیں تو اپنی حماقت کا یوں اظہار کرتے ہیں: قد سمعنا لو نشاء لقلنا مثل ھذا، ان ھذا

الا اساطیر الاولین، (۸ : ۳۱) وہاں خدائے قدوس نے قرآن کی نسبت کہا تھا: ھذا بصائر من ربکم و ھدی و رحمۃ لقوم یؤمنون، (۷ : ۲۰۳) اس سورۃ میں فرمایا کہ جب ارباب صدق و اخلاص اس کتاب عزیز کی آیات کو سنتے ہیں تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے، اور ان کے ایمان میں اور زیادہ استواری آجاتی ہے: انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم، واذا تلیت علیھم اٰیتہ زادتھم ایمانا و علی ربھم یتوکلون، (۸ : ۲)

موضوع سورۃ

قرآن حکیم کا روئے سخن عالمگیر ہے، اور وہ دنیا کی تمام اقوام و ملل اور مذاہب و ادیان کی اصلاح و تہذیب کا ذمہ دار و کفیل ہے: کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور، (۱۴ : ۱) اس لئے وہ ہر قوم سے مخاطب ہوتا ہے، اگر آپ گزشتہ سورتوں پر ایک حقیقت بیں نظر ڈالیں تو آپ کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ سورۂ بقرہ میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی خرابیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان کی تحریفات لفظی و معنوی کو واضح کیا گیا ہے، اور پھر ان کو اسلام کی دعوت دی ہے، آل عمران میں مشیتر نصاریٰ کے عقائد باطلہ کا تار و پود بکھیرا ہے، عقیدۂ تثلیث کو غلط ثابت کیا ہے، اور بتایا ہے کہ عبد اللہ کبھی ابن اللہ نہیں ہو سکتا، اور یہ کہ انسان کی انتہائی ترقی عبد اللہ بن جانے میں مضمر ہے: لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ ولا الملئکۃ المقربون، (۴ : ۱۷۲) جب کفارہ کی نوعیت واضح ہو گئی تو اب عیسائیوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں کہ اگر وہ نجات کے طالب ہوں تو دائرہ اسلام میں داخل ہوں۔ نساء اور مائدہ میں عرب کی داخلی اصلاح پیش نظر تھی کہ آگے چل کر یہی قوم شتر بانی سے جہانبانی تک پہنچیگی، پس ضرورت تھی کہ ان کے تمدن و حضارۃ کی تہذیب کی جاتی، اور ان کے غلط اصول کا قلع قمع کر کے صحیح قوانین و ضوابط کو مدون و مرتب کیا جاتا۔ ایران میں مجوسیوں کی حکومت تھی، جو نور و ظلمت، خیر و شر، اور حق و باطل کے دو جداگانہ

خالق تسلیم کرتے تھے، اور اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ ان غلط عقائد و تعینیات کی ترویج واشاعت میں مصروف تھے، پس قرآن حکیم نے سورہ انعام میں ان کی غلط کاریوں کو واضح کرکے بتادیا کہ ان کی یہ تعلیم تمام انبیائے کرام، جملہ صحائف واسفار آسمانی، قوانین الہٰیہ اور نوامیس فطرت کے بخط مستقیم مخالف ہی، تمام رسول صرف توحید وحق پرستی کے قیام، اور کفر وباطل پرستی کے استیصال کے لئے مبعوث ہوے تھے، اس لئے مجوسیوں کے لئے اسلم وانسب یہی ہی کہ وہ خدا کے آخری قانون کے آگے اپنی گردنیں خم کردیں، لیکن ابھی دنیا کے مختلف گوشوں میں اور بھی چھوٹے درجہ کے مذاہب وادیان تھے جن کے اتباع ومقلدین کی تعداد محدود، اور جن کے اصول وعقائد کی عام طور پر نشر واشاعت نہ ہوئی تھی، ان کو سورہ اعراف میں مخاطب بنایا گیا، اس طرح قرآن نے تبلیغ ودعوۃ عالم کا اہم و اقدم فرض انجام دیدیا، اور ہر ایک مذہب کو موقع دیا کہ اپنی غلط کاری کو ترک کرکے صراط مستقیم سے تمسک واعتصام کرے کہ اس کے بغیر نہ تو دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہی، اور نہ نوع انسانی اپنی انتہائی ترقی حاصل کرسکتی ہی۔

ان حاملین مذاہب کی حالت یہ ہی کہ انہوں نے حق وصدق کو خیرباد کہدیا ہی، تعلیمات صالحہ سے منحرف ہوچکے ہیں، کتاب الہٰی تو وراء ظہورھم ہی، فواحش ومنہیات کا ارتکاب ہوتا ہی، اپنے اباطیل واکاذیب ہیں جن کو عمود مذہب اور اساس ملت خیال کیا جاتا ہی، خود بھی ان پر عمل کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی ان پر کاربند ہونے کی دعوت دیتے ہیں: یامرون بالمنکر وینہون عن المعروف، (۹: ۶۸) قرآن حکیم ایک النذیر العریان کی طرح ان کے سامنے ان ناشائستہ حرکات کے المناک عواقب بیان کرتا ہی، اور بتاتا ہی کہ دنیا کی دولت وثروت، اور امن وآسائش بھی قانون الہٰی کے ماننے پر موقوف ہے کہ ان میں تنبہ واعتبار پیدا ہو، اور حق کو ٹھکرانے سے باز آجائیں۔ مگر ان کی کیفیت یہ ہی کہ اس صدائے حق کے آگے خمیدہ گردن ہونیکی بجائے تعصب وہٹ دھرمی سے کام لیتے

ہیں، اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہوجاتے ہیں، اور اس صداقت کو دنیا سے محو و باطل کرنے کے لئے اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیتے ہیں، ان کی زندگی کا مقصد وحید یہی ہوتا ہے کہ اسلام کا نام و نشان دنیا میں باقی نہ رہے، ان کا خیال یہ ہے کہ قرآن تہذیب و تمدن کا دشمن، علوم و معارف کا مخالف، اور نشو و ارتقائے انسانی کا عدو مبین ہے، وہ علی الاعلان پکار اٹھتے ہیں کہ جب تک قرآن اور اس کے ماننے والوں کو نیست و نابود نہ کیا جائیگا دنیا کبھی امن و راحت سے معمور نہ ہوگی، اس لئے کفار و معاندین اسلام، مسلمانوں کو وطن، دیار، مال و جائداد، اور قوم و ملت سے جدا کرتے ہیں، ان میں پھوٹ اور نفاق ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان کو حبس و زندان کی تاریک و مظلم کوٹھریوں میں بند رکھا جاتا ہے، ان کے پاؤں میں بوجھل آہنی زنجیریں ڈالی جاتی ہیں، اور انہیں سولی کے تختوں پر لٹکایا جاتا ہے، اور جرم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ خدائے واحد کی جانب لوگوں کو بلاتے، اور انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ سے رشتہ جوڑ دیتے ہیں: وما نقموا منہم الا ان یومنوا باللہ العزیز الحمید، (۸۵: ۸) سورہ حج میں آتا ہے: الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ط (۲۲: ۴۰) مصر میں فرعون نے جو جادوگروں کو قتل کی دھمکی دی تھی تو ان کا بھی یہی جرم تھا: وما تنقم منا الا ان اٰمنا بایٰت ربنا لما جاء تنا (۷: ۱۲۳) اور دنیا میں سب سے بڑا جرم یہی رہا ہے کہ آزادی اور حق کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے، قانون الٰہی کو کیوں بلند و برتر کیا جاتا ہے، اور باطل پرستانہ سعی و کوشش کو کیوں نہیں نافذ العمل ہونے دیا جاتا؟

جب دنیا کی یہ حالت ہو، اور مادی قوتوں پر غرور و تکبر کرنیوالے فرزندان اسلام کو تباہ و برباد کرنیکا عزم صمیم کرلیں تو اب مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اسوقت انکے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں۔

(الف) تبلیغ و دعوت اسلام کے فرض کو ترک کر دیں، ارباب کفر و نفاق کے آگے خمیدہ گردن ہوں، اور شیاطین و طواغیت کی غلامی کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیں، اگر ایسا ہوا تو دنیا سے اسلام کا نام و نشان خود بخود مٹ جائیگا، اور مخالف قوتیں اپنا منتر کا لکر

کلمہ توحید کو فنا کردینگی، چاروں طرف انسانی قوانین رائج و نافذ ہونگے، فتنہ و فساد، شر و طغیان، اور عدوان و سرکشی کی آگ بھڑک اُٹھیگی، فسق و فجور، بدعملی و بدکرداری اور بے راہ روی و بطالت کی عملداری ہوگی، اور زمین کا سنگار لٹ جائیگا۔

(ب) اسلام کو بچانے، اور توحید کے قیام و ثبات کے لئے مسلمان اپنی ہر چیز قربان کردیں، کلمہ حق کی نشر و اشاعت کے لئے سرکبف کوشش کریں، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی حفظ و صیانت سے غافل نہ ہوں۔

اس وقت سورۂ انفال ہماری راہ نمائی کرتی ہی، وہ بتاتی ہو کہ دنیا بغض و عداوت کی وجہ سے اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہی: ود کثیر من اھل الکتٰب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسھم، (۲: ۱۰۹) اس لئے ہماری حیات قومی کے لئے یہ دستور العمل تو ایک لمحہ کے لئے بھی جائز نہیں ہوسکتا کہ اگر ایک شخص تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے کردو، یہ تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لئے مخصوص تھی جو صرف اپنی ہی قوم کی اصلاح و تجدید کے لئے مبعوث ہوئے تھے، اور اس لئے ان کو توپ و تفنگ کے استعمال کی ضرورت نہ تھی، اگرچہ آخر میں انہوں نے بھی تنگ آکر یہ کہہ دیا تھا کہ: یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں، (متی، ۱۰: ۳۴) میں زمین پر آگ ڈالنے آیا ہوں، اور اگر لگ چکی ہوتی، تو میں کیا ہی خوش ہوتا، (لوقا، ۱۲: ۴۹)

مسلمانوں کو تمام اقوام عالم کا ہادی اور راہ نما بنا کر بھیجا گیا ہی: وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس، ان کو کنتم خیر امۃ اخرجت للناس، کے معزز و محترم لقب سے سرفراز کیا گیا ہی، وہ اسرو تعبد اور انسانی غلامی کی بیڑیاں کاٹنے آئے ہیں، وہ سب کو آسمانی بادشاہت میں داخل کرنے کے آرزومند ہیں، اور لوگ ہیں کہ انکو تباہ و برباد کرنے کی فکر میں ہیں، اس لئے قبل اس کے کہ ان کا نام و نشان مٹانے کے

لئے دنیا مصروف سعی و جہد ہو، اس سورۃ میں ان کو قانون جنگ کی تعلیم دی جاتی ہے کہ حق کو بچانے کے لئے وہ خود فنا ہو جائیں، قوم و ملک کو قربان کر دیں، مال و متاع کو اسکی راہ میں لٹا دیں، کیونکہ ان کی حیات قومی کا راز سربستہ اسی جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے جب تک مبلغین و دعاۃ اسلام مرنے مارنے پر تیار نہ ہونگے، اس وقت تک ان کی تحریک کے بقاء و دوام کی کوئی صورت نہیں۔

اس لئے جملہ اقوام عالم کے سامنے اسلام پیش کرنے کے بعد جنگ کا مفصل قانون دیا جاتا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر ہر جگہ فتح و کامرانی سے بہرہ اندوز ہوں، اور یہی اس سورۃ کا موضوع اصلی ہے، تاکہ ہر مسلمان کے سامنے یہ حقیقت رہے کہ جس قوم میں بھی دعوت اسلام کی غرض سے میں جا رہا ہوں، اگر اس سے مزاحمت ہوئی تو اس سے مجھے مقابلہ کرنا پڑیگا، مخالف کے زور کو توڑنے کے لئے مجھ میں کافی قوت و طاقت کا ہونا ضروری ہے، اور اگر میں اس راہ میں مارا گیا تو خدائے قدوس میرے خون کو ضائع نہ ہونے دیگا، اور تمام دنیا کے مسلمان میرا بدلہ لینے کے لئے سر بکف کوشش کرینگے۔

تلخیص مضامین

یہ بات تو باسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ قانون جنگ بیان فرماتا ہے، جس کی مشق بدر کی لڑائی میں کرائی گئی تھی، اور یہ ایسے اصول و کلیات ہیں جنکی پابندی کا لازمی نتیجہ فتح و ظفر ہوگا چنانچہ غزوۂ بدر اس کی بہترین نظیر ہے، اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں تو اسی قدر تنبیہ پر اکتفا کیا کہ مال غنیمت میں منازعت کرنا ارباب توحید کے شایان شان نہیں، بلکہ ان میں ان خصوصیات کا پیدا ہونا ضروری ہے جو مابعد کی آیات میں بیان کی گئی ہیں، پھر جنگ بدر کا تذکرہ کیا، اور ان نوازش ہائے گوناگوں کو بیان کیا جو اس لڑائی میں مسلمانوں پر نازل کی گئی تھیں، اس عاجز و درماندہ گروہ کے ہاتھوں کفار کو مقہور ذلیل کیا کیونکہ وہ باغی تھے، اور رسول اللہ کے اشد شدید دشمن، آیت نمبرہ اسے ان قوانین

وضوابط کو بیان کرنا شروع کیا، جو فتح و کامرانی کی کلید ہیں، اور جن میں سے اوّلین دستورالعمل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنی جان بچانے کی خاطر جنگ سے بھاگنا جائز نہیں، اگر اس نے ایسا کیا تو شریعت کی نظر میں وہ مورد غضب الٰہی ہوگا، آیت نمبر ۲۰ میں نظم و قاعدۂ جنگ کی پوری پابندی، اور امراء و رؤسائے لشکر کی کامل فرماں برداری پر زور دیا، آیت نمبر ۲۴ میں فرمایا کہ جب خلیفۂ اسلام کی طرف سے جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان ہو تو تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس آواز کے سنتے ہی اپنے اہل و عیال، مال و متاع، اور وطن و دیار کو چھوڑ کر میدان جنگ میں حاضر ہو جائیں، اور اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس فرض جلیل سے انحراف و اجتناب کیا تو ان میں عزم صمیم، صبر و استقامت، اور ہمت و استقلال کے جذبات صادقہ نہ پیدا ہونگے، اور پھر اسی پر بس نہ ہوگی بلکہ قوم کی قوم مبتلائے آلام و مصائب ہوگی، اور سب کے سب غیروں کے غلام و محکوم بن جائینگے۔

آیت نمبر ۲۷ میں فرائض کے حسن ادا پر زور دیا، اور بتایا کہ امیر فوج کی طرف سے جو کام ان کے سپرد کیا جائے اسے دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، چونکہ جنگ میں خصوصیت کے ساتھ جذبۂ انتقام بھڑک اٹھتا ہے، انسان بسا اوقات جوش غیظ و غضب میں حد اعتدال سے تجاوز کر کے قانون کا پابند نہیں رہتا، اور مظالم کا ارتکاب کرنے لگتا ہے اس لئے آیت نمبر ۲۹ میں تقویٰ و طہارت، ورع و پاکیزگی، اور تہذیب و شائستگی کا تذکرہ کیا، اور اس کے ثمرات و نتائج بھی دوسری آیت میں بتا دیے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کر دی کہ کفار و مشرکین ان فضائل و کمالات سے بے بہرہ ہیں اسلئے مسلمان عنقریب مسجد حرام کے وارث بنا دیے جائینگے، اور اسی رکوع کے آخر میں بتایا کہ اس پیشین گوئی کو کس طرح پورا کیا جائیگا؟ آیت نمبر ۳۹ میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ مذہبی آزادی، جان و مال کی حفاظت، اور دنیا میں امن و سلامتی کے قیام و ثبات کی خاطر تمہیں قیامت تک جنگ کرنی پڑیگی تاآنکہ جنگ آزما قومیں چور چور ہو جائیں، اور ارض الٰہی

امن کا گہوارہ بن جائے پھر اس کے بعد فوراً مال غنیمت کی تقسیم کے اصول وضوابط پر بحث کی، اور مختلف حصے مقرر کر دیئے، اسی ذیل میں جنگ بدر کے بعض واقعات، اور فیوض و برکات الٰہیہ کا تذکرہ کیا، آیت نمبر ۴۵ میں فرمایا کہ جنگ کی اصلی کامیابی وحدت مقصد میں ہے، اور اختلاف اغراض تباہی کا پیش خیمہ اور قومی بربادی کا موجب ہے۔

تمام دنیا مسلمانوں کو فنا کرنے کی فکر میں ہے، اور سب نے باہمی عہد و پیمان کر کے یہ عزم کر لیا ہے کہ دنیا میں خدا کا نام لینے والا ایک متنفس بھی باقی نہ رہے، اگر مسلمانوں نے اس وقت خاموشی سے کام لیا تو یقیناً معاندین اسلام کی آرزو پوری ہو جائیگی، پس مسلمان اگر زندہ رہنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ہر وقت جدید ترین آلات حرب سے مسلح رہیں، اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غفلت کو کام میں نہ لائیں، قوت و طاقت اور سامان حرب کی کثرت و فراوانی ہی وہ چیز ہے جو ان فراعنہ وقت، اور جبابرہ عصر کی اصلاح کر سکتی ہے، آیت نمبر ۶۰ میں اسی قانون کی جانب راہ نمائی کی، مگر آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ خون بہانا، اور انسانوں کا ذبح کرنا اسلام کے پیش نظر نہیں، اور مسلمان جب اس طرف قدم بڑھائیگا تو مجبور و مضطر ہونے کی صورت میں، اسلئے اگر اغیار روا جانب صلح و آشتی کے آرزو مند ہوں تو ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا نہایت ضروری ہے۔ چونکہ مسلمانوں کو قیامت تک دنیا میں رہنا ہے، اور ان کے مخالف بھی برابر اپنی مکارانہ چالبازیوں سے باز نہ آئینگے، اس لئے نبی اور اس کے جانشینوں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے رہیں، اور ان کا فرض ہے کہ اپنے اندر اتنی قوت و طاقت پیدا کر لیں کہ خواہ کفار کی کتنی ہی بے شمار فوج ان کے سامنے ہو مگر وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں، اور ان سے برابر مقابلہ کرتے رہیں تا آنکہ کفر سرنگوں، اور کلمۃ اللہ بلند و برتر ہو، آیت نمبر ۶۵ سے اسی قانون کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آیت نمبر ۷۲ میں آخری ضابطہ جنگ بیان کیا، فرمایا کہ اسلام کو مٹانے کے لئے دنیا کی تمام شیطانی قوتیں آپس میں اتحاد و یگانگت پیدا

کرلیتی ہیں، اوران کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے موت کے گھاٹ اُتاردیں، اوران کی سلطنتوں کو تباہ وبرباد کردیں، اس داہیۂ کبریٰ اور فتنۂ عمیاء سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ کرۂ ارضی کی تمام اسلامی حکومتیں دینی ومذہبی اور سیاسی اتحاد کو محکم واستوار کرلیں، اور سب ایک ہی لڑی میں منسلک ہوجائیں، اور اسی پر سورۃ الانفال کو ختم کردیا۔

قانون جنگ

امتیازات مسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (۱) یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○

تم سے مال غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں، کہدو کہ مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہے، پس تم اللہ سے ڈرو، اور آپس میں صلح کرلو، اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ کفار قریش کا ایک قافلہ شام سے سامان تجارت لئے ہوئے مکہ مبارکہ کو واپس جا رہا ہے، چونکہ یہ تمام تر سامان اس غرض کے لئے فراہم کیا جا رہا تھا کہ اس کو مسلمانوں کے فنا کرنے میں صرف کیا جائے، پس قانون جنگ کی مصلحت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ دشمنوں کی اس تدبیر کو توڑا جائے، چنانچہ آپ ۳۱۳ رفقا کے ساتھ مدینہ سے نکلے، مگر ابو سفیان، سالار قافلہ کو بھی آپ کی نقل و حرکت کی اطلاع مل گئی اس نے فوراً ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی جانب روانہ کر دیا کہ تم جا کر وہاں کے لوگوں کو میرے حالات کی اطلاع دو تا کہ وہ میری امداد و اعانت کے لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوں

اور بنظرِ احتیاط ابوسفیان نے اپنا اصلی راستہ چھوڑ کر سمندر کی راہ لی، اور مسلمانوں کی زد سے بچ گیا، ابھی مسلمان اس قافلہ کی تلاش جستجو ہی میں تھے کہ ان کو کفار کے لشکرِ جرار کی آمد کی خبر ملی، اب بعض تو اس فوج سے جنگ کرنے کے حق میں تھے، اور دوسروں کا یہ خیال تھا کہ ہم اس ارادہ سے نہیں نکلے، بے سروسامانی کی حالت میں لڑائی ہو تو کیونکر، مگر انجام کار جنگ ہو کر رہی، قلّتِ تعداد کے باوجود مسلمانوں کو کامیابی ہوئی، اور بے شمار مالِ غنیمت ملا، اس کے تقسیم کرنے میں اختلافِ رائے ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ نوجوان ہی اس کے حق دار ہیں، اور بوڑھوں کو محروم کر دینا چاہیئے، دوسرے لڑنے والوں اور نہ لڑنے والوں میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کے آرزومند ہیں، اور اس لئے تم سے اس کی تقسیم کے قواعد و کلیات معلوم کرنا چاہتے ہیں، آپ انہیں یہ بات سمجھا دیں کہ میدانِ جنگ میں تم مالِ غنیمت جمع کرنے کی غرض سے نہیں آئے ہو، بلکہ تمہارا مقصدِ حیات تو صرف حق و صدق کی حفاظت، اعلائے کلمۃ اللہ، اور کفر و شیطنت کا ابطال و استیصال ہے، پھر جھگڑنا تمہاری شان سے گری ہوئی بات ہے، بلکہ یہ تمام سامان اللہ تعالیٰ کا ہے، رسول اس کے احکام و اوامر کے مطابق تقسیم کریگا، اسے ان مصارف کا الہام کیا گیا ہے، چنانچہ دوسری جگہہ فرمایا: واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل (۸: ۴۲) تمہیں چاہیئے کہ تقویٰ و طہارت کی زندگی بسر کرو، آپس میں صلح و آشتی سے رہو، اگر ایمان و اسلام کے پابند ہو تو اللہ کے قانون کو مانو، اور رسول کے حکموں کے آگے اپنی گردنیں خم کرو۔

(۲) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝

مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو انکے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب اس کی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں، اور

(۳) الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، (۴) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا، لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، جو نماز کو قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی سچے ایمان دار ہیں، ان کے پروردگار کے پاس ان کے لئے درجے ہیں، اور معافی اور عزت کی روزی ہے۔

مسلم قانت وہ ہے جس کے مایۂ ناز و سرمایۂ افتخار حسب ذیل خصائص و امتیازات ہوں:

(الف) جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل دہل جاتے ہیں: بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، اور تمام جسم کانپنے لگتا ہے۔

(ب) جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے فہم و ادراک میں اور زیادہ ترقی ہوتی ہے، ایک جگہ آتا ہے: اللہ نزل احسن الحدیث کتٰبا متشابها مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم وقلوبهم الی ذکر اللہ، (۳۹: ۲۳) ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا: واذا ما انزلت سورة فمنهم من یقول ایکم زادته هٰذه ایمانا ج فاما الذین اٰمنوا فزادتهم ایمانا وهم یستبشرون (۹: ۱۲۵)

(ج) وہ روپیہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، بلکہ صرف خدائے قدوس کی ذات پر اعتماد و توکل کرتے ہیں۔

(د) نماز پڑھ کر وہ اس حقیقت پر مہر لگا دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے ہر حکم کے آگے اپنی گردن خم کرنے کو تیار ہیں۔

(ہ) خدا نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس کو اسی کی راہ میں لٹا کر ایثار و فدویت کا ثبوت دیتے ہیں۔

یہی لوگ اصلی معنی میں مومنین صادقین ہیں، انہیں کے لئے مناصب عالیہ ہیں ان کی فروگزاشتوں کو بھی نظر انداز کیا جائیگا، اور ان کو بغیر مانگے رزق ملیگا۔

غزوہ بدر پر اجمالی نظر

چونکہ آگے چلکر غزوہ بدر کا تذکرہ آئیگا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جگہ مختصر طور پر اس جنگ کے تمام واقعات بیان کردیں تاکہ آئندہ آیات کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

مکہ مبارکہ کی تکلیف دہ زندگی سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الہام الٰہی کے مطابق مدینہ منورہ کو نشیمن رسالت بنایا، اور بتدریج مسلمان بھی یہاں آکر آباد ہوگئے، لیکن کفار قریش کو یہ ہجرت ناگوار گزری، اور انہوں نے عبداللہ بن ابی، اور اس کے احباب کو حسب ذیل خط لکھا: انکم اویتم صاحبنا وانا لنقسم باللہ لتقاتلنہ اولتخرجنہ اولنسیرن الیکم باجمعنا، حتی نقتل مقاتلتکم ونستبیح نسائکم (ابوداؤد) تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ اس سے لڑو، یا اس کو وہاں سے نکال دو، ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ آور ہونگے، تمہارے جوانوں کو قتل کردینگے، اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کرلینگے۔

لیکن جنگ کے لئے ضروری تھا کہ ان کے پاس سامان حرب کثرت سے ہو، اسلئے ۲ھ ہجری میں قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا تو مکہ کے ہر ہر فرد نے اپنی دولت اس کی نذر کردی تاکہ مسلمانوں کے فنا کرنے کے لئے وہ سامان حرب خرید کر کے لائے، ابوسفیان سالار قافلہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو ابن سعد نے نقل کیا ہے: واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نش وصاعداً الا بعث بہ معنا، گویا اس قافلہ کی روانگی صرف اس غرض کے لئے عمل میں آرہی تھی کہ شام سے سامان تجارت خریدا جائے اور پھر پوری تیاری کے بعد مسلمانوں پر حملہ ہو۔ جب یہ قافلہ اپنے سفر سے واپس لوٹ

رہا تھا تو آپ کو اطلاع ملی کہ ابو سفیان اپنے قافلہ کے ساتھ سامان تجارت لئے ہوئے مدینہ کے پاس سے گزرنے والا ہے، چونکہ آگے چلکر یہی سامان مسلمانوں کے تباہ و برباد کرنے میں صرف ہونے والا تھا۔ اسلئے قانون جنگ کے اصول کے مطابق آپ نے ضروری سمجھا کہ دشمن کی ان تیاریوں کو روکا جائے، چنانچہ آپ اسی ارادہ سے ۳۱۳ جان نثاروں کو لیکر نکلے، اس نقل وحرکت کی اطلاع ابو سفیان کو بھی مل گئی، اس نے اپنا راستہ بدل دیا، اور سمندر کے کنارے ہوتا ہوا مسلمانوں کی زد سے بچ نکلا، اور ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی جانب دوڑایا کہ لوگ اسکی مدد کو پہنچیں۔

جنگ کے لئے نہیں نکلے

جب وادی زفران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ کفار قریش ایک عظیم الشان لشکر لیکر ابو سفیان کی حمایت کے لئے آرہے ہیں، اب مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں تھیں، خاموشی کے ساتھ مدینہ کو واپس جائیں، ورنہ سینہ سپر ہوکر ان سے جنگ کریں، اس لئے آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، چونکہ یہ لوگ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے اس لئے قدرتی طور پر ان کا یہی جواب ہونا چاہئے تھا کہ اس بے سروسامانی کے ساتھ لڑنا خلاف مصلحت ہے، قرآن نے ان کی اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وان فریقا من المؤمنین لکرھون، یجادلونک فی الحق من بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون، (۸ : ۵ و ۶) آپ نے فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی والہام اطلاع دی گئی ہے کہ دونوں گروہوں میں سے ایک پر یقیناً ہم لوگوں کو کامیابی نصیب ہوگی، واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم، اگر قافلہ بچ کر نکل گیا تو پروا نہیں، اس لشکر پر فتح وکامرانی یقینی وقطعی ہے، اس پر تمام صحابہ کی گردنیں جھک گئیں، مقداد نے کہا: لا نقول کما قال قوم موسی اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ولکنا نقاتل من یمینک وعن شمالک وبین یدیک وخلفک (بخاری) ہم قوم موسیٰ کی

طرح یہ نہ کہینگے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ ہم لوگ آپ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، اور پیچھے سے ہو کر لڑینگے، ابن ہشام نے سعد بن معاذ کا حسب ذیل قول نقل کیا ہے: یا نبی اللہ الا نبنی لک عریشا تکون فیہ ونعد عندک رکائبک ثم نلقی عدونا، فان اعزنا اللہ واظھرنا علی عدونا کان ذلک ما احببنا وان کانت الاخری جلست علی رکائبک فلحقت بمن ورائنا من قومنا، فقد تخلف عنک اقوام یا نبی اللہ ما نحن باشد لک حبا منھم، ولو ظنوا انک تلقی حربا ما تخلفوا عنک یمنعک اللہ بھم یناصحونک ویجاھدون معک حضرت سعد بن معاذ کے الفاظ پر غور کیجئے، وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر مدینہ کے مسلمانوں کو اس امر کا وہم وگمان بھی ہوتا کہ جنگ کی نوبت آئیگی تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے، بلکہ آپ کے ہمرکاب ہو کر داد جاں نثاری دیتے، ان کے اس جملہ سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے، اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث بھی دیکھ لیجئے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کعب بن مالک سے روایت کیا ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم اتخلف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ غزاھا الا فی غزوۃ تبوک، غیر انی تخلفت عن غزوۃ بدر، ولم یعاتب احد تخلف عنھا، انما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید عیر قریش، حتی جمع اللہ بینھم وبین عدوھم علی غیر میعاد۔	جنگ تبوک کے سوا اور کسی لڑائی میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا، البتہ غزوہ بدر میں بھی شریک نہ ہوا، مگر اس میں عدم شرکت کے باعث عتاب نازل نہیں ہوا، کیونکہ آپ صرف قافلہ قریش کے لئے نکلے تھے، اتفاقاً مخالفین سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے، اور جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا، جب مسلمان مدینہ سے نکلے تو ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ

تھے، بدر پہنچے تو دیکھا کہ کفار مکہ کا لشکر جو تعداد میں ان سے سہ چند اور سامان میں ہزار چند زیادہ ہی، اترا ہوا ہی، جنگ سے ایک روز قبل جناب رسالت مآب نے میدان قتال کا معائنہ کیا، اور فرمایا کہ کل انشاء اللہ فلان دشمن، فلاں جگہ، اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہونگے، ۱۷ رمضان کو جمعہ کے روز جنگ ہوئی، لڑائی سے قبل نبی اللہ نے نہایت ہی الحاح و تضرع کے ساتھ خدا کے حضور میں دعا کی، اور فرط الحاح اور غیرت توحید نے یہ الفاظ بھی آپ کی زبان مبارک سے نکلوا دیے کہ خداوندا! ان مسلمانوں کے مارے جانے کے بعد دنیا پر توحید کی منادی کرنے والا کوئی بھی نہ رہیگا، آخر دونوں جماعتیں صف آرا ہوئیں مسلمان قلت سامان و تعداد کے باوجود غالب آئے، اور کفار کو ذلیل ترین شکست نصیب ہوئی، انکے ستر آدمی مارے گئے جن میں وہ گیارہ سردار بھی تھے جنھوں نے دار الندوہ میں رسول اکرم کے قتل کا مشورہ کیا تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: شیبہ، عتبہ، ابو جہل، ابو البختری، زمعۃ بن الاسود، عاص بن ہشام، اور امیہ بن خلف، اور اتنی ہی گرفتاریاں ہوئیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ جب مسلمان اس جنگ کے لئے تیار نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس کیوں نہ چلے گئے کہ پورے طور پر تیار ہو کر پھر میدان کارزار میں آتے؟ اگر ایسا ممکن نہ تھا تو دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ آپ مدینہ والوں کو امداد و اعانت کے لئے بلا لیتے، مگر آپ نے ان دونوں میں سے کسی بات کو بھی اختیار نہ کیا، بظاہر اس کے اسباب حسب ذیل معلوم ہوتے ہیں:

(الف) اگر آپ مدینہ کو لوٹ جاتے تو یقیناً ابو جہل کو اس کی اطلاع مل جاتی کیونکہ اسکے جاسوس بھی پھر رہے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کفار کے حوصلے بڑھ جاتے، اور وہ زیادہ جوش و سرگرمی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے مدینہ پر حملہ آور ہوتے۔

(ب) آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ کو مرکز جنگ بنایا جائے کیونکہ قوانین جنگ کے اصول اساسی میں یہ شامل ہی کہ ہمیشہ دار الحکومت کو جنگ سے دور رکھنا چاہئے۔

(ج) آپ کو پیشین گوئی کی بنا پر اپنی فتح و کامرانی کا یقین کامل تھا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اس لئے آپ نے یہ ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ اہل مدینہ کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی جائے، اس سے یہ خیال نہ آئے کہ پھر آپ نے دعا میں اس قدر تضرع اور الحاح کا کیوں اظہار کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کی شرائط میں سے ایک چیز یہ بھی ہے اس لئے ضرور تھا کہ آپ اس کے پابند ہوتے۔

اخراج عن البیت

(۵) كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ (۶) يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؏	جس طرح تمہارے رب نے حق کے ساتھ تمہیں تمہارے گھر سے روانہ کیا، حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا، حق بات ظاہر ہونے کے بعد وہ تم سے جھگڑتے تھے، گویا آنکھوں دیکھے وہ موت کی جانب ہانکے جاتے ہیں۔

کما سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام نے اس کے متعلق مختلف اقوال بیان کئے ہیں مگر ان سب میں قابل ترجیح یہ قول ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں صحابہ مختلف الرائے تھے، اللہ تعالیٰ نے بعض کی ناراضگی کا لحاظ نہ کرکے ایک مستقل قانون تقسیم غنائم نوازش کر دیا، اور بتا دیا کہ ان کی مرضی کے مطابق اس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح صحابہ اپنے ضعف ظاہری اور بے سرو سامانی کو دیکھکر یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اس حالت میں کافروں کے ساتھ جنگ کی جائے، لیکن خدائے حق نواز نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ باوجود بے سرو سامانی کے تائید حق کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہو، اور ایسا کرنا ضروری تھا، آگے چل کر اسکی چند مصلحتوں کو بھی قرآن حکیم نے بیان کیا ہے، ایک جگہ فرمایا: ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکفرین، (۸ : ۷) دوسرے موقعہ پر یہ ارشاد ہوا: ولیبلی

المومنین منه بلاءحسنا (۸ : ۱۷) پھر کہا : لیمیز اللہ الخبیث من الطیب و یجعل الخبیث بعضہ علی بعض فیرکمہ جمیعا، (۸ : ۳۷) آگے چلکر فرمایا : لیھلك من ھلك عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ، (۸ : ۴۲)

چونکہ صحابہ جنگ کے لئے تیار ہوکر نہ نکلے تھے جیسا کہ ابی بن کعب اور سعد بن معاذ کی روایات سے معلوم ہوچکا ہی، اس لئے ان کا لڑائی سے عذر کرنا بالکل حق بجانب تھا، اس احتراز کو قرآن حکیم نے وان فریقا من المؤمنین لکرھون، اور کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون سے تعبیر کیا ہی، ابو ایوب انصاری کی روایت اس پر اور زیادہ روشنی ڈالتی ہے :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اخبرت عن عیر ابی سفیان انھا مقبلۃ فھل لکم ان تخرج قبل ھذہ العیر لعل اللہ ان یغنمنا ھا، فقلنا نعم نخرج وخرجنا، فلما سرنا یوما او یومین، قال لنا ما ترون فی قتال القوم فانھم قد اخبروا بخروجکم، فقلنا لا واللہ مالنا طاقۃ بقتال العدو ولکنا اردنا العیر ثم قال ماترون فی قتال القوم فقلنا مثل ذالك، (حافظ ابو بکر بن مردویہ)

آپ نے فرمایا، مجھے اطلاع ملی ہی کہ ابو سفیان کا قافلہ آرہا ہی کیا تم قافلہ لوٹنا چاہتے ہو، عجب نہیں اللہ ہم کو کامیاب کرے، چنانچہ ہم لوگ مدینہ سی نکلے تو دو ایک روز کے سفر کے بعد آپ نے فرمایا کہ ان کو ہمارے حملہ کی اطلاع مل گئی ہی، اب ان سے جنگ کرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہی، ہم نے جواب دیا کہ ہم ان سے جنگ نہیں کرسکتے، ہم تو صرف قافلہ کی غرض سے نکلے تھے، آپ نے پھر یہی سوال کیا، اور ہم نے بھی وہی عرض کیا،

ان لوگوں سے آپ نے اُسی وقت فرمادیا تھا کہ قافلہ اور لشکر، دونوں میں سے ایک پر فتح وکامرانی یقینی وقطعی ہی : واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم، مگر صحابہ باوجود اس حقیقت کے معلوم ہونے کے جنگ کرنی پھر بھی خلاف مصلحت سمجھتے تھے، وہ اپنی

بے سروسامانی اور قلت تعداد کو دیکھتے تھے، دشمن کی کثرت تعداد، اور اسباب و وسائل کی فراوانی بھی ان کی نظروں سے مخفی نہ تھی، اس بنا پر ان کا خیال یہ تھا کہ اس وقت لڑائی کو اپنے سر مول لینا گویا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے۔

مقصد کیا تھا؟

(۷) وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (۸) لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ○

اور جب دو جماعتوں میں سے ایک کی نسبت اللہ تم سے وعدہ فرماتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگیگی، اور تم چاہتے تھے کہ وہ تمہیں مل جائے جس میں کانٹا نہ لگے، اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنے کلمات سے سچا کر دکھائے اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے تاکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کرے اگرچہ مجرم ناخوش ہوں۔

یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اکرم کا ارادہ قافلہ شام پر حملہ کرنا تھا مگر وہ بچ کر نکل گیا، اب کفار کا لشکر تھا اور مسلمان، آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، وہ قافلہ کو لوٹنا زیادہ پسند کرتے تھے کیونکہ اس میں ایک تو انہیں تکلیف نہ ہوتی، دوسرے کفار سامان رسد سے محروم ہو جاتے، تیسرے مسلمان اس کو اپنے کام میں لے آتے، اور آیندہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے، ظاہر ہے کہ قافلہ سمندر کے کنارے کنارے دور جا چکا ہے، اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ اسی لشکر کے ساتھ جنگ کی جائے، آپ یہی چاہتے تھے، اور یہی اللہ کا منشا تھا، اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی کہ:

(الف) اس جنگ کی وجہ سے اس دین قویم کو ثبات و استقامت بخشے، اس کو تمکین فی الارض حاصل ہو، اور لیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا کی حقیقت آشکارا ہو جائے، قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ، اور لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا کا یہی مطلب ہے۔

(ب) کافروں کا استیصال ہو، ان کو اسلام کے مقابلہ میں سر اُٹھانے کا خیال بھی نہ آئے، اور حتیٰ تضع الحرب اوزارھا کا مصداق حقیقی سامنے آجائے۔ اس میں شک نہیں کہ قانون تنازع للبقاء کے اصول کے مطابق جب حق اور باطل، نور اور ظلمت، اسلام اور کفر میں آویزش ہوگی تو کلمۂ حق کو بلند و برتر کرنا ارباب ایمان و اخلاص کا فرض ہوگا، پس اگر اعلائے کلمۃ اللہ میں دجاجلۂ کفر و شیطنت کو تکلیف ہوتی ہی تو ہوا کرے، خدا کو اس کی پروا نہیں، کیونکہ کفر تو پیدا ہی اسلئے ہوا ہی کہ اس کے ابطال میں اہل ایمان اپنی پوری سعی و کوشش کا اظہار کریں، تاکہ ان کی صف دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آنے لگے۔

نزول برکات

(۹) اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ، (۱۰) وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○	جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرنے لگے، پس اس نے تمہاری سن لی کہ میں ہزار لگاتار آنیوالے فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا، اور یہ تو صرف اللہ نے خوشخبری دی، اور تاکہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، اور فتح تو اللہ کی طرف سے ہے، بیشک اللہ غالب حکمت والا ہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کفار کا لشکر کئی گنا زیادہ ہی، تو آپ نے نہایت ہی الحاح و تضرع کے ساتھ دعا کی، اور عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو اے اللہ! تیری عبادت کرنے والا دنیا میں کوئی بھی نہ ہوگا، اللہ نے اس دعا کو شرف اجابت بخشا، اور ایک ہزار ملائکۃ الرحمٰن ان کی مدد کے لئے بھیجے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

لما کان یوم بدر نظر رسول اللہ	جب معرکۂ بدر کا دن آیا تو آپ نے لشکر کفار کو دیکھا

صلی اللہ علیہ وسلم الی المشرکین و ھم الف واصحابہ ثلثمائۃ وبضعۃ عشر رجلاً، فاستقبل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القبلۃ ثم مد یدہ فجعل یھتف بربہ یقول اللھم انجز لی ماوعدتنی اللھم اتنی ماوعدتنی، اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض، فمازال یھتف بربہ مادا یدیہ حتی سقط رداؤہ عن منکبیہ فاتاہ ابو بکر فاخذ رداءہ فالقاہ علی منکبیہ، ثم التزمہ من ورائہ وقال یانبی اللہ کفاک مناشدتک ربک فانہ سینجز لک ماوعدک فانزل اللہ عزوجل اذ تستغیثون ربکم۔

جو ایک ہزار کی تعداد میں تھا، اور مسلمان ۳۱۳ تھے آپ نے قبلہ رخ ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور عرض کیا کہ اپنے وعدوں کو پورا کر جو تو نے میرے ساتھ کئے ہیں، اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو اس کرۂ ارضی کی پشت پر تیرا نام لینے والا کوئی بھی باقی نہ رہیگا، آپ کی بے خودی کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کے کندھوں سے چادر بھی گر گئی، ابو بکر نے آکر اس کو آپ کے کندھوں پر ڈال دیا، اور گود میں لے کر عرض کیا کہ یا نبی اللہ! یہ الحاح و تضرع کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو پورا کریگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح و کامرانی کا وعدہ پہلے ہی سے فرما دیا تھا، کیونکہ آپ بار بار فرماتے ہیں: اللھم انجز لی ماوعدتنی اللھم اتنی ماوعدتنی، وہ عہود و مواثیق کیا تھے؟ حسب ذیل آیات ان پر روشنی ڈالتی ہیں:

عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے اے ددانیوں کے قافلو۔ پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو، روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے، اور کھینچی

ہوئی کمان سے، اور جنگ کی شدت سے بھاگتے ہیں، کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا ہنوز ایک برس، ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہیگی، اور تیراندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائینگے، کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا، (یسعیاہ ۲۱: ۱۳ تا ۱۷)

یہ تمام آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت، اور جنگ بدر پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں، بخاری میں ہے کہ جب آپ دعا کے بعد چھپر میں سے باہر نکلے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: سیھزم الجمع ویولون الدبر، یہ آیت سورۂ قمر کی ہے جس کی نسبت تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ مکہ میں ہجرت سے قبل نازل ہو چکی تھی، پس ان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مکی زندگی میں آپ کو جس فتح و نصرت کا وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہونے والا تھا، وکان وعدا مفعولا، چنانچہ وہی ہو کر رہا، یہی مطلب ہے ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ کا جو تم پہلے پڑھ آئے ہو۔

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کو حسب ضرورت بدلتے رہتے تھے، مکی زندگی میں آپ صرف ایک معلم اخلاق کی صورت میں نظر آتے ہیں، مگر جب مدینہ میں اعوان و انصار کی ایک جماعت فراہم ہو گئی تو بادشاہی قوانین نافذ کرنا شروع کر دیتے ہیں، مگر جن آیات کو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، وہ صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ آں حضرت کے ذہن مبارک میں بالہام خداوندی اپنی کامیابی کی مکمل سکیم پہلے ہی سے محفوظ تھی، چنانچہ آیت سیھزم الجمع ویولون الدبر مکہ میں نازل ہو چکی تھی جس کا ظہور غزوہ بدر میں ہوا۔

ملائکہ کی آمد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرشتوں کی امداد کا وعدہ دیا ہے سورۂ بقرہ میں ہم بتا آئے ہیں کہ ملائکۃ الرحمن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) ملاء اعلیٰ، جو اس عالم میں نظام صالح قائم رکھنے پر مامور ہیں، جس کو وہ بذریعہ

دعا انجام دیتے ہیں،

(ب) ملاء سافل، ان کی حیثیت ایک کارکن جماعت کی ہے۔

بعض لوگ یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ تمام دنیا کو فنا کرنے کے لئے ایک ہی فرشتہ کافی ہو سکتا تھا، پھر ایک ہزار کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ اصل بات یہ ہے کہ اگر فرشتوں کے مختلف اقسام ان کے پیش نظر ہوتے تو یہ اعتراض ہی نہ ہوتا، ملاء سافل کے فرشتوں میں اتنی طاقت ہی نہیں ہوتی کہ وہ کسی کام کو خود کریں، البتہ اگر کوئی کام ہو رہا ہو تو وہ اس وقت اپنی قوت کا اظہار کرینگے، اگر ایک شخص کسی کام میں مصروف ہو تو یہ اس کی قوت ارادی میں اور زیادہ جوش و ولولہ پیدا کر دینگے، لیکن جب کام نہ ہوتا ہو، اور نہ کرنے کا ارادہ ہو تو یہ فرشتے بھی کچھ نہیں کرتے، آنکھیں بصارت سے محروم ہیں تو عینک لگانا بے سود ہے، اس لئے سب سے پہلے محکم و استوار ارادہ، عزم صمیم، اور استقلال کی ضرورت ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کامیابی کے تمام اسباب و مراتب فراہم کر دیگا، انسانوں کی مدد کے لئے ملاء سافل ہی کے فرشتوں کو الہام کیا جاتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اللہ اگر چاہے تو مچھر اور بھنگے سے پوری قوم کی قوم کو تباہ کر دے، مگر جو کچھ قوانین اس نے مقرر کر دیئے ہیں ان کی رعایت عموماً ملحوظ رہتی ہے، اعمال انسانی کی حفظ و صیانت کے لئے خدا نے دو فرشتوں کو مقرر کیا، دوسرے کاموں پر بھی متعدد ملائکہ کا تعین احادیث سے ثابت ہوتا ہے، پس حقیقت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

ایک ہزار فرشتوں کی تعداد کا تعین مسلمانوں کے اطمینان قلب کی خاطر تھا، ابراہیم علیہ السلام احیائے موتیٰ کی مختلف کیفیات ملاحظہ کرنے کے آرزو مند ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ لیطمئن قلبی، حواریین جب نزول مائدہ کی درخواست کرتے ہیں تو ان کے سامنے

بھی یہی حقیقت تھی: نرید ان ناکل منہا و تطمئن قلوبنا و نعلم ان قد صدقتنا ونکون علیہا من الشھدین، (۵: ۱۱۳) زکریا علیہ السلام کو جب ایک فرزند صالح کی

بشارت دی گئی تو وہ بھی ظاہری اسباب میں دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں: رب اجعل لی آیۃ (۱۰:۱۱) اگر اس سے کم فرشتوں کے نزول کا وعدہ دیا جاتا تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ہم بہت کم ہیں، اور کفار کی تعداد ایک ہزار ہے، اس لئے ایک قاعدہ میں لا کر ان کی دلبستگی کر دی، اور فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد ہوگی، اب انہیں پورا اطمینان ہوگا کہ ہماری تعداد کفار سے کہیں زیادہ ہے، جوش مسرت میں وہ دل کھول کر جنگ کرینگے، اور بہادری کے جوہر دکھائینگے۔

یہ مدد اس لئے نازل کی کہ مسلمان ثابت قدم رہیں، ان کو اطمینان قلب اور سکینۃ و ثلج صدر حاصل ہو، اور بشاشت قلب کے ساتھ جنگ کریں، سورۂ آل عمران میں بھی امداد ملائکہ کے متعلق اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں: وما جعلہ اللہ الا بشریٰ لکم ولتطمئن قلوبکم بہ، وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم (۳: ۱۲۲) لیکن ان الفاظ سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ فرشتوں کی امداد کا صرف وعدہ ہی وعدہ تھا، اور حقیقت میں ایک بھی فرشتہ نہیں آیا، آپ ان تمام لڑائیوں کے حالات وواقعات پر نظر ڈالئے، جن میں اس روحانی اعانت کا وعدہ دیا گیا ہے، غزوۂ بدر کو لیجئے، کفار کی تعداد ایک ہزار ہے، میدان کا بہترین حصہ ان کے قبضہ میں ہے، پانی کے چشموں سے انہوں نے مسلمانوں کو محروم کر دیا ہے، جس قدر سپاہی ہیں، تجربہ کار اور جنگ آزمودہ ہیں، ادھر مسلمان صرف ۳۱۳ ہیں، سامان حرب ندارد، باوجود بے سروسامانی کے وہ کفار کو ذلیل و رسوا کر کے واپس لوٹا دیتے ہیں، پس یہ کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی جب تک فرشتے ان کے شریک کار نہ ہوں، اس کے ساتھ ساتھ بخاری کی اس روایت کو بھی پیش نظر رکھ لیجئے:

جاء جبرئیل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما تعدون اھل بدر فیکم قال من افضل المسلمین، او کلمۃ	جبرئیل نے آکر رسول اللہ سے دریافت کیا کہ جنگ بدر کے شرکاء کے مراتب و درجات کی نسبت آپکی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تمام مسلمانوں میں

نحوھا، قال وکذلک من شھود بدر (۳) من الملئکۃ۔	سے افضل ہیں، جبرئیل نے کہا یہی فضیلت و برتری ان فرشتوں کو حاصل ہے جو اس لڑائی میں شریک ہوئے،

غزوہ احد کی بھی یہی حالت ہے، یہاں کافر چار گنا زیادہ ہیں، جن میں ایک ہزار سوار ہیں، اور خالد بن الولید ان کے سپہ سالار ہیں، مگر اس لڑائی میں بھی کافروں کو بھاگنا پڑتا ہے۔

جنگ احزاب کو دیکھئے، اس میں کفار کی تعداد مسلمانوں سے دس گنا زیادہ ہے، منافقین جاسوسی کر رہے ہیں، اور ایک ایک لمحہ کی خبر دشمنوں کو دیتے ہیں، یہودی اپنے عہد و پیمان کو توڑ کر ان سے جا ملے ہیں، مگر اس پر بھی ان کو ناکام لوٹنا پڑتا ہے، اور یہ نتائج ہیں ملائکہ کی نصرت و اعانت، اور خدا کی بر وقت دستگیری کے۔

دراصل کامیابی اور فتح و کامرانی تو خدائے قدوس کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ عزیز و حکیم ہے، حکمت و دانائی سے کام لیکر ارباب ایمان کو غلبہ و اقتدار نوازش کریگا۔

نصرت الٰہی کا ظہور

(۱) اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْھِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ ۝	جب اللہ اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر اونگھ طاری کرتا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی نازل کرتا تھا کہ اس سے تم کو پاک کرے، اور تم سے شیطانی نجاست دور کرے، اور تاکہ تمہارے دلوں پر محکم گرہ لگا دے، اور تمہارے قدم جمائے رکھے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں خیمہ زن ہوئے تو حالت یہ تھی کہ وہاں چشمہ یا کنواں تک نہ تھا، زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھس دھس جاتے تھے، حباب بن منذر نے دربار رسالت میں عرض کیا کہ اس مقام کا انتخاب الہام کی بنا پر ہوا ہے، یا فوجی تدبیر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو وحی سے کوئی

تعلق نہیں، حباب نے کہا بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے، اور اطراف و جوانب کے کنوئیں بیکار کر دیئے جائیں، آپ نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی پر عمل کیا گیا۔ اس روز اللہ کی طرف سے حسب ذیل برکات نازل ہوئیں۔

(۱) باوجودیکہ جنگ کی حالت تھی، دشمن کی کثرت تعداد کا بھی علم تھا، اور اپنی بے سروسامانی بھی مخفی نہ تھی، پھر بھی مسلمانوں کو ایسا امن و اطمینان نصیب تھا کہ ان پر اونگھ طاری ہوگئی، عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: النعاس فی القتال امنة من اللہ وفی الصلوٰة من الشیطٰن، اسی قسم کی نعمتوں کا ذکر جنگ احد کے متعلق بھی آیا ہے: ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشیٰ طائفة منکم (۳ : ۱۴۸) چھپر میں جس وقت رسول اکرم فتح و کامرانی کے لئے دعا مانگ رہے تھے تو اس وقت آپ پر بھی اونگھ طاری ہوگئی تھی: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کان یوم بدر فی العریش مع الصدیق رضی اللہ عنہ وھما یدعوان اخذت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنة من النوم ثم استیقظ مبتسما،

(۲) مسلمانوں کے لئے پانی کافی نہ تھا، اور جب یہ لوگ شب کے وقت سو گئے، تو بعض کو نہانے کی ضرورت ہوگئی، اس پر سب کے سب پریشان تھے، شیطان کے لئے بہترین موقع تھا کہ وساوس و خطرات سے ان کو تنگ کرے، چنانچہ بعض کو خیال آیا کہ یہ باتیں ارباب حق و صدق کی شان کے شایاں نہیں، پینے کو پانی نہیں ملتا، اور نماز بھی بغیر وضو کے ادا کرنی پڑے گی، اس پر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کی جس سے چند فائدے حاصل ہوئے:

(الف) جن کو غسل کی ضرورت تھی وہ پاک و صاف ہو گئے، وضو کر کے نماز ادا کی، کھانے پکانے اور جانوروں کے لئے برتنوں میں پانی بھر لیا، ریت جم گئی، اور چلنے پھرنے میں آسانی ہوگئی۔

(ب) شیطان نے جس قدر وساوس وخطرات پیدا کئے تھے، یک قلم دور ہو گئے کیونکہ ان کو یقین ہو گیا کہ تائید الٰہی ہمارے ساتھ ہے اور ہم ضرور کامیاب ہونگے۔

(ج) وہ اس بات کو سمجھ گئے کہ جنود الٰہیہ کی نصرت وامداد کفار کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتی، ان کے دل قوی وطاقت ور ہو گئے، اور ان کو انشراح صدر حاصل ہو گیا۔

ان تمام فیوض وبرکات سے مسلمانوں کو یہ بتانا تھا کہ اگر خارجی اسباب تمہاری نصرت واعانت سے رک جائیں تو روحانی قوتوں سے تمہاری مدد کی جائیگی۔

طریق جنگ

(۱۲) اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ، (۱۳) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ، (۱۴) ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ○	جب تمہارا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں، تو تم مسلمانوں کو جمائے رکھو، میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالدونگا، پس تم گردنوں پر مارو، اور ان کا ہر جوڑ کاٹو، یہ اسکی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ اور اسکے رسول کا مخالف ہوگا، تو بیشک اللہ کی مار بڑی سخت ہے، یہ تو تم چکھ لو، اور جان لو کہ کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ بات پہلے صاف ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کی نصرت ویاوری کے لئے فرشتوں کا نزول ہوا تھا، جنگ کے روز اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو الہام کیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اسلئے تمہارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ فرزندان اسلام میں صبر واستقامت اور استقلال وثبات قدم کے جذبات حقہ پیدا کرو، جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ ایک عظیم الشان لشکر ہماری امداد پر ہے تو ان میں اور زیادہ ہمت وجرأت پیدا ہوگی،

اور جوش و ولولۂ دینی کے ساتھ جنگ کرینگے، ادھر میں کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دونگا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس وقت وہ دیکھیں گے کہ مسلمان تھوڑی سی تعداد اور فقدان اسباب کے باوجود پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تو ضرور سمجھ جائینگے کہ ان کی امداد و اعانت کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی لشکر کمیں گاہ میں موجود ہوگا، جو ضرورت کے وقت ہم پر حملہ آور ہوگا، اس خیال کے آتے ہی ان کی ہمتیں پست ہو جائینگی، اور ان پر رعب و ہیبت طاری ہو جائیگی۔ جنگ کا قانون بھی یہی ہے کہ فوج کا ایک حصہ تو دشمن کے سامنے ہوتا ہے، اور باقی کو محفوظ رکھا جاتا ہے کہ وقت پر کام آسکے۔

اسی کے ساتھ ساتھ فنون سپاہ گری بھی تعلیم دیے جو کفار کے قلع قمع کرنے میں نہایت ہی مفید ثابت ہوئے، بلکہ فن سپاہ گری کے اصول قرار پائے، قرآن حکیم میں دوسری جگہہ اس قاعدہ کا تذکرہ ان الفاظ میں آتا ہے: فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب، (۴۷: ۴) یہ عذاب ان کفار و مخالفین اسلام پر اس لئے نازل ہو رہا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کی، اور جو ایسا کریگا اس کی یہی سزا ہوگی، وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہوگا، محکومانہ زندگی بسر کریگا، اور مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائیگا، ایک جگہہ فرمایا: ان الذین یحادون اللہ و رسولہ کبتوا کما کبت الذین من قبلہم، (۵۸: ۶) اسی سورۃ کے آخر میں آیا: ان حزب الشیطٰن ھم الخٰسرون، (۵۸: ۲۰) ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا: ذٰلک بانھم شاقوا اللہ و رسولہ، ومن یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب، (۵۹: ۴) سورۂ نسا میں آتا ہے: ان کید الشیطٰن کان ضعیفا، (۴: ۷۶) اس آیت کو بھی سامنے رکھ لیجئے: ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ و نصلہ جھنم وساءت مصیرا ○

باب (۲)

گزشتہ آیات میں غزوۂ بدر کی بحث ختم ہو گئی، اب اس لڑائی سے مختلف نتائج کا استنباط و استخراج کیا جائیگا، اور یہی چیزیں مستقل قانون کی شکل اختیار کرینگی، چنانچہ یہاں سے ان قوانین و ضوابط کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کی مشق اس لڑائی میں کرائی گئی۔

جنگ سے بھاگنا جرم ہے

(۱۵) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ، (۱۶) وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ○

اے ایمان والو! جب کفار سے تمہارا مقابلہ ہو جو انبوہ کئے ہوئے ہوں تو انکو پیٹھ نہ دو، اور جو انکو اس روز پیٹھ دیگا، مگر یہ کہ لڑائی کا ہنر کرتا ہو یا فوج میں جا شامل ہوتا ہو تو وہ اللہ کا غضب لے پھرا، اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

جنگ میں کامیابی کے لئے اولین قانون یہ ہے کہ یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص کا صحیح نقشہ سامنے آجائے، کوئی سپاہی اپنی جگہ سے نہ ہٹے، اور پہاڑ کی طرح جم جائے، دشمن کو پشت دکھانا، اور میدان جنگ سے منہ موڑنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اپنی جان بچانا مقصود ہے، ایک شخص کے بھاگنے سے تمام فوج بھاگنا شروع کر دیگی، دشمن غالب آجائیگا، اور مسلمان دوسروں کے غلام بن جائینگے، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس کو اعظم ترین جرائم شمار کیا، اس کے ارتکاب پر غضب الٰہی کے نزول سے ڈرایا، اور اسکے مرتکب کو دوزخ کی وعید سنائی، اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ایک شخص کے بھاگنے سے فوج کی نظم و ترتیب (ڈسپلن) جاتی رہیگی، رعب میں فرق پڑجائیگا، اور سب کے سب

مسلمان مبتلاے آلام و مصائب ہونگے، لسان نبوت نے اس فرار عن الزحف کو اکبر الکبائر میں شمار کیا، چنانچہ بخاری میں آتا ہی:

اجتنبوا السبع الموبقات، قیل یارسول اللہ وماھن؟ قال الشرک باللہ، والسحر، وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق، واکل الربا واکل مال الیتیم، والتولی یوم الزحف، وقذف المحصنات الغافلات المومنات۔

آپ نے فرمایا، سات مہلک چیزوں سے بچو، لوگوں نے پوچھا وہ کونسی چیزیں ہیں، آپ نے جواب دیا کہ (۱) شرک باللہ (۲) جادو (۳) نفس انسانی کا قتل جسکو خدا نے حرام قرار دیا ہی، البتہ جہاں قانون اسکے قتل کا فیصلہ کردے تو کوئی گناہ نہیں (۴) سود کا کھانا، (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) لڑائی کے دن میدان جنگ سے بھاگنا (۷) شریف و پاک دامن مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا۔

حافظ ابو القاسم طبرانی، ثوبان سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ان تین جرائم کا مرتکب ہو اس کا کوئی عمل صالح مفید و نافع نہ ہوگا، الشرک باللہ وعقوق الوالدین والفرار من الزحف، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں بشیر بن معبد سے روایت کیا ہی کہ وہ بیعت کی غرض سے دربار رسالت میں حاضر ہوے، آپ نے چند شرائط پیش کیں، جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ ان اجاھد فی سبیل اللہ، بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فرار عن الزحف کے خوف سے اس شرط کو ماننے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا: فبم تدخل الجنۃ اذا، پھر جنت میں کیسے داخل ہوگے، اس پر میں نے اس شرط کو بھی قبول کرلیا، اور بیعت سے شرف اندوز ہوا۔

قرآن حکیم نے بھاگنے کی صرف دو صورتوں میں اجازت دی ہی:

(الف) لڑائی کے لیے موجودہ مقام مناسب نہ ہو، اور ماہرین فن حرب کے مشورہ سے اس کا تبدیل کرنا ضروری معلوم ہو۔

(ب) خیال یہ ہو کہ اور زیادہ فوج لیکر دشمن پر حملہ کیا جائے۔

ان دونوں صورتوں میں بھاگنا جائز ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اگرچہ اس میں صورت تو بھاگنے کی ہے مگر اس نام سے اس کو تعبیر نہیں کیا جا سکتا، بہرحال اس سے اتنی بات معلوم ہو گئی کہ قانون جنگ اور ماہرین فن کی رائے سے جہاں بھاگنا ضروری ہو گا، شریعت اس پر ہرگز مواخذہ نہ کریگی، جرم اس صورت میں ہو گا جبکہ اپنی جان بچانے کی فکر ہو گی۔

دست عمل

(۱۷) فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ، (۱۸) ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ○

پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا، اور جس وقت تم نے مٹھی خاک کی پھینکی تھی تو تم نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی، اور تاکہ اللہ مسلمانوں کو اپنی بارگاہ سے اچھا انعام عطا فرمائے، بیشک اللہ سنتا جانتا ہے اور یہ جانے رہو کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو سست کریگا۔

جنگ میں دراصل صبر و استقامت اور ثبات قدم کی ضرورت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہے، مگر باوجود اس قلت تعداد کے وہ مظفر و منصور واپس لوٹتے ہیں، پس یہ فتح و ظفر نتیجہ ہے اللہ کی نصرت و دستگیری کا، ورنہ ایسے عظیم الشان لشکر پر کامیاب ہونا کسی انسان کی قوت و طاقت میں نہ تھا، اس لئے قرآن حکیم اس کا بار بار تذکرہ کرتا ہے، ایک جگہ فرمایا: ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلہ، ایک مقام پر یوں ارشاد کیا: لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ لا ویوم حنین لا اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ○ ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا (۹: ۲۵ و ۲۶)

انسان جس قدر کام اپنی قوت سے کرتا ہی، اس کی نسبت اسی کی طرف ہوگی، لیکن اگر خارجی اعانت بھی اس کے شریک کار ہوجاے، تو پھر اس کے ثمرات و نتائج کو خارجی قوت کی جانب منسوب کیا جائیگا، بچہ کا ہاتھ پکڑکر لکھوا دینا لکھوانے والے کی طرف منسوب ہوگا جنگ بدر میں کامیابی حاصل کرنا انسانی طاقت سے باہر تھا، رحمت الٰہی کا نزول ہوا، اور ملائکۃ الرحمٰن نے مسلمانوں کی دستگیری کی، اس لئے ان تمام کامیابیوں کو جو اس لڑائی میں حاصل ہوئیں، اللہ کی جانب منسوب کیا گیا ہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آپ کو معلوم ہی کہ وہ نہایت ہی الحاح و تضرع کے ساتھ فتح و کامرانی کی دعا مانگ رہے تھے، اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: یارب ان تہلك هٰذه العصابة فلن تعبد فی الارض ابدا، جب آپ کو اپنی کامیابی اور جنود ضلالت کی ذلت و رسوائی کا یقین ہوگیا تو آپ باہر نکلے، اور فرمایا: سیھزم الجمع و یولون الدبر، پھر ایک مٹھی بھر کنکریاں اٹھاکر کفار کی طرف پھینکی، اور کہا: شاهت الوجوہ، یہ کنکریاں ہر ایک کافر کی آنکھ میں پڑیں، یہ بھی بالاتر قوت کا اثر تھا، اسلئے فرمایا کہ: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی، جب بیعت الرضوان ہوئی ہی تو اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو اپنا ہی ہاتھ فرمایا ہی: ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدیھم، (۴۸ : ۱۰)

جب انسان پر ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین کی حقیقت طاری ہوجاتی ہی، تو اس کے افکار و خیالات، جذبات و احساسات، اور اعضاء و جوارح سب اسی کے تابع فرمان بن جاتے ہیں اس کے اندر حقیقت اسلامیہ کی عملی روح ہوتی ہی، اس کا دل جمال الٰہی کا مسکن، اور اس کا چہرہ حسن حقیقت کا مظہر ہوتا ہی، وہ دنیا کی تمام طاقتوں اور ماسوی اللہ قوتوں سے منہ موڑکر صرف خداے اسلام کا وفادار، اور تابع احکام ہوتا ہی، اور اللہ کے استغراق و استہلاک میں اس طرح فنا ہوجاتا ہی کہ پھر دنیا کی صدہا قواے شیطانیہ

اس پر حملہ آور ہونے سے ڈرتی ہیں، اور ہر آن و ہر لمحہ اس کے اعمال کی زبان صدائے توحید سے غلغلہ انداز اقلیم روح و معنی ہوتی ہے، وہ نفس و شیطان کے تسلط کی زنجیریں توڑ کر حقیقت عبودیت کی محویت و خود فراموشی کے مقام میں پہنچ جاتا ہے، یعنی اپنی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ اللہ کے ہاتھ بک جاتا ہے، اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اسی قبلۂ ارواح و کعبۂ قلوب کے آگے جھک جاتا ہے، پھر وہ صحیح معنی میں مسلم ہوتا ہے، اور اسلام کے معنی گردن کے رکھدینے، حوالہ کردینے، اور جھکا دینے کے ہیں، پس جمال الٰہی اس کی تمام قوتوں کا احاطہ کرلیتا ہے، اور اس کی ہر چیز کو اپنے حسن کی تجلیات کا آئینہ بنا دیتا ہے، وہ بولتا ہے تو اللہ کی آواز نکلتی ہے، اور دیکھتا ہے تو اللہ کی بصیرت سے دیکھتا ہے:

فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا، وان سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ، (بخاری باب التواضع):

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود!

بدر کے عرصۂ کارزار میں مسلمانوں کا جانا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنا تھا، نبی کریم کی مضطربانہ دعا آپ کو یاد ہے، پس جب مسلمان مرنے کے لئے آمادہ ہوگئے تو کامیاب و بامراد واپس لوٹے، اور نصرت الٰہیہ نے ان کی دستگیری کی، چونکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سنتا، اور نیتوں کو جانتا ہے، اس لئے انہیں نوازش ہائے گوناگوں سے سرفراز کیا گیا، اور اس تمامتر جنگ و پیکار کا مقصد یہ تھا کہ کفار کی ان کوششوں کو بیکار کر دیا جائے جو حق کے مٹانے کے لئے ہو رہی تھیں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

(۱۹) إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ | اگر تم فتح چاہتے ہو تو فتح تمہارے سامنے آموجود ہوئی،

الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۠	اور اگر باز آجاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہی اور اگر پھر کروگے تو ہم بھی پھر کرینگے۔ اور تمہارا جتھا ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئیگا، اگرچہ بہت ہو۔ اور اللہ ایمان والونکے ساتھ ہی۔

جس وقت کفار، مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے تو انہوں نے بیت اللہ الحرام کے پردوں کو پکڑ کر یہ دعا کی: اللھم انصر اعلی الجندین، واکرم الفئتین وخیر القبیلتین، خداوندا! ان دونوں گروہوں میں سے اس کی نصرت و اعانت کر، جو اعلیٰ، شریف، اور معزز ترین ہو۔ بعض روایات میں آتا ہی کہ ابوجہل بن ہشام نے میدان بدر میں یوں دعا کی تھی: اللھم اینا کان خیرا عندک فانصرہ، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مبارکہ میں ان مشرکین کو دعوت اسلام دیتے، اور یہ لوگ وحی الٰہی کی مخالفت کیا کرتے تو یہ بھی کہا کرتے تھے: ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم، (۸: ۳۲) اس بیان سے کہا جاتا ہی کہ جس دلیل فتح و کامرانی کے تم طالب تھے وہ تو آگئی، اب اپنی آنکھیں کھولو، اسلام کی راہ ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنے سے باز آجاؤ تو بہتر ہی، ورنہ اگر باوجود اظہار حجت اور وضوح حق پھر بھی اس کی مخالفت ترک نہ کی، اور اس کی فناسامانی کی فکر میں رہے تو ہم بھی تمہیں تباہ و برباد کرنے سے دریغ نہ کرینگے، اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ہمیں انداز حرب دیکر تمہارا گروہ خواہ کتنا ہی کثیر التعداد کیوں نہ ہو غالب نہیں ہو سکتا، ان کید الشیطن کان ضعیفا، اور ہم دائمی طور پر ارباب ایمان ہی کو کامیاب و شادکام کیا کرتے ہیں، ان حزب اللہ ھم المفلحون، اور ان جندنا لھم الغلبون، اور کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی، اور ان اللہ لمع المؤمنین اسی حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

اولی الامر کی اطاعت

(۲۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ	کرو، اور اس سے نہ پھرو حالانکہ تم سنتے ہو، اور ان
(۲۱) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ	جیسے نہ بنو جنہوں نے کہدیا کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ سنتے
لَا يَسْمَعُوْنَ ، (۲۲) اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ	نہیں اللہ کے نزدیک تمام جان داروں میں بدترین وہی
عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ	بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، اور اگر اللہ ان میں
(۲۳) وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ طوَ	کچھ بھلائی جانتا تو ان کو سناتا، اور اگر ان کو اب سنادے
لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○	تو ضرور بے رخی کرتے ہوئے روگردانی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل و رسوا کرکے مسلمانوں کو آیندہ نصرت کا وعدہ دیا، مگر اس کے لئے چند شرطیں لگا دیں:

(الف) اللہ اور اس کے رسول کا ہر حکم مانیں، آپ کے بعد جس نفس قدسی کے ہاتھ میں مسلمانوں کی عنان سیاست ہو، جو ملک کے نظم و نسق، اور امن و سلامتی کا ذمہ دار و کفیل ہو، اور جس کے ہاتھ میں فوجوں کی باگ ہو، اس کی پوری اطاعت کریں۔

(ب) حکم ملنے پر روگردانی نہ کریں، اور اس کے لئے یہودیوں کی مثال پیش کی جو کتاب الٰہی کو اوّل سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں مگر عمل کرنے کا نام تک نہیں لیتے، اور اس لئے سمعنا وعصینا کے تمرد کا پورا مصداق ہیں۔

قرآن حکیم کا مقصد یہ ہے کہ علمی اور عملی دونوں قوتوں کی تربیت ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ان دونوں چیزوں سے حصہ وافر رکھتے تھے، ان کی نسبت یہ جملہ ثابت ہے کہ فتعلمنا القرآن والعمل جمیعا، زبان سے تو ہر کس و ناکس عقائد و یقینیات اسلامیہ حب مذہبی، اور ولولہ دینی کا اظہار کرنے کو تیار ہے، مگر اس کے اعمال حیات ہی اس دعوی کی بہترین شہادت ہو سکتے ہیں، اس لئے صحابۂ کرام، کفر و اسلام میں مابہ الامتیاز صرف نماز کو خیال کرتے تھے، پھر ان سے بدترین اور کون ہو سکتا ہے جو اوّل تو اس تعلیم صحیح میں غور ہی نہیں کرتے اور اگر درس و فکر، اور بحث و نظر کے بعد ان کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوں تو ان کے دور کرنے کی

فکر نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت قرآن نے کہا: لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها، اولئك كالانعام بل هم اضل، اولئك هم الغفلون، (۷: ۱۷۸) یہی الاعمیٰ، شر البریه، اصحاب النار، اور اولیاء الشیطن ہیں، خدا کے دائمی قانون اور نوامیس فطرت کے بموجب ان کی فاسقانہ زندگی کی وجہ سے ان کے دل پر موت وہلاکت طاری ہو گئی ہے، ان کا ضمیر بالکل مردہ ہو گیا ہے، ان کی فطرت صالحہ کا آئینہ گرد آلود اور مکدر ہو گیا ہے، اور علم الٰہی میں ان کی تباہی و بربادی ایک فیصل شدہ امر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انتہائی شفقت و رحمت کی وجہ سے ان بدبختان نوع انسانی کی ہدایت و راہ نمائی کے لئے اپنی جان عزیز تک قربان کرنے کو تیار ہیں، مگر انہیں توجہ تک نہیں ہوتی۔

جہاد ہی میں زندگی ہے

(۲۴) يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○ (۲۵) وَٱتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَآصَّةً ۖ وَٱعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ○

مسلمانو! جب اللہ اور اس کا رسول تم کو ایسے کام کی دعوت دے جس میں تمہاری زندگی ہے تو اس کا حکم بجا لاؤ۔ اور جان لو کہ آدمی اور اس کے دل میں اللہ آڑ بن جاتا ہے، اور یہ بھی جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے، اور تم اس بلا سے ڈرتے رہو جو خاص کر تم میں سے ظالموں ہی پر نہ پڑیگی، اور جان لو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

دنیا میں تنازع للبقاء کے اصول کے مطابق ہر چیز جنگ میں مصروف ہے، مگر زندگی صرف اسی کو نوازش ہو گی جو اصلح و امثل ہے، اس لئے فرمایا کہ جس وقت اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کو جہاد کا حکم دے تو فوراً میدان میں آموجود ہوں کہ انفرادی و اجتماعی حیات کا راز سربستہ اسی جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے، یہی چیز تمکو دائمی زندگی بخشیگی، اس لئے

جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ ای الناس افضل تو آپ نے جواب دیا: مومن یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ ومالہ، ایک جگہ ارشاد فرمایا: لغدوۃ فی سبیل اللہ اوروحۃ خیر من الدنیا ومافیھا، ترمذی میں ہے: من رابط لیلۃ کانت لہ کالف لیلۃ صیامھا وقیامھا، لیکن اگر جہاد کا ارادہ بھی نہ کیا تو ان مصائب کا شکار رہونا پڑیگا:

(الف) رسول کی تعلیم کا ایک ایک حرف تمہارے لئے زندگی بخش ہے، اس کی خلاف ورزی سے تمہاری قوت ارادی کمزور ہو جائیگی، تم مضبوط و ثابت قدم نہ رہ سکوگے، ارادہ کرتے ہی فسخ کردیا کروگے، اور لعناھم وجعلنا قلوبھم قاسیہ کی کیفیت تم پر طاری ہوگی۔

(ب) اعمال انسانی کی حالت مختلف ہے، بعض اوقات اس کے اعمال کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود رہتا ہے، اس لئے صرف مجرم ہی گرفتار ہوتا ہے، اور کبھی ان کا اثر قوم پر بھی پڑتا ہے، پھر سب کے سب مبتلائے آلام ومصائب ہوتے ہیں، اگر تم نے جہاد سے انکار کیا تو یاد رہے صرف انکار کرنے والے ہی گرفتار مصیبت نہ ہونگے، بلکہ پوری قوم کی قوم دوسروں کی غلام بن جائیگی، حدیث میں آتا ہے: اذا ضن الناس بالدینار والدرھم وتبایعوا بالعین واتبعوا اذناب البقر وترکوا الجھاد فی سبیل اللہ انزل اللہ بھم بلاء فلم یرفعہ حتی یراجعوا، اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص کو منافق کہا گیا جو جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو ہی کو دل سے نکال دے: من مات ولم یغز ولم یحدث نفسہ بہ مات علی شعبۃ من النفاق، اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت ہی سخت ہے، اس لئے سوچ سمجھکر مخالفت کریں۔

قلّت تعداد کا عذر

(۲۶) وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ | اور یاد کرو جب تم زمین میں تھوڑے سے کمزور تھے،

مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥

ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک لے جائیں، پس اللہ نے تم کو جگہ دی، اور تم کو اپنی مدد سے زور دیا، اور تمکو ستھری چیزوں کی روزی دی تاکہ تم احسان نو۔

اگر تم کہو کہ خلیفہ اسلام کا حکم جہاد تو سر آنکھوں پر، مگر تعداد کی قلت، اور سامان حرب کے فقدان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقت لڑنا خلاف مصلحت ہی، تو یہ عذر بھی مسموع نہیں اس لئے کہ تم مکہ کی حالت پر غور کرو جب مسلمانوں کی تعداد اقل قلیل تھی، ہر شخص تم کو کمزور و ناتواں خیال کرتا تھا، اور خود تمہیں بھی ہر وقت اس امر کا خوف دامن گیر تھا کہ کہیں دشمن ہم کو فنا نہ کردے، مگر باوجود ان باتوں کے اللہ نے تم کو پناہ دی، اپنی نصرت و دستگیری سے تائید کی، اور بہترین چیزیں کھانے کو نوازش کیں، اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ تم آیندہ چلکر قلت تعداد اور فقدان اسباب کا عذر پیش کرکے جہاد فی سبیل اللہ سے منہ نہ موڑلو، جنگ میں کامیابی کے لئے قلت و کثرت پر نظر نہ ہونی چاہیے حنین کی لڑائی میں تمہیں اپنی کثرت تعداد پر ناز تھا مگر شکست کھائی: ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین، (۹ : ۲۵)

مدینہ کی زندگی پر نظر ڈالو، ابو ہریرہ کے پیٹ میں بھوک کے مارے بل پڑے جاتے ہیں، اور کئی دفعہ غشی کی نوبت آتی ہی، پھر یہ وہی ابو ہریرہ ہیں جو دیوار کعبہ کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے، کسریٰ کے رومال سے ناک صاف کرتے ہیں، اور عدی بن حاتم قیصر و کسریٰ کے خزائن کو اپنے پاؤں سے ٹھکراتے ہیں۔

فرض منصبی کی حفاظت

(۲۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، (۲۸) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو، اور آپس کی امانتوں میں جان بوجھکر خیانت مت کرو، اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ہیں

اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○	امتحان گاہ ہیں، اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہی۔

اللہ اور اس کے رسول نے جو فرائض تمہارے مقرر کر دیے ہیں ان کے ادا کرنے میں کبھی بد دیانتی نہ کرو، بلکہ انہیں نیک نیتی اور خلوص سے ادا کرو، اور خود مسلمانوں کی علم جماعت نے بھی جو مناصب جلیلہ تمہارے سپرد کئے ہیں، ان میں بھی خیانت سے کام نہ لینا، تمہیں معلوم ہی کہ تمہاری استعداد و قابلیت دیکھکر یہ فرض جلیل تمہارے متعلق کر دیا گیا ہی، اس لئے خیانت تمہاری شان سے بہت ہی گری ہوئی بات ہی۔

اس وقت تمہارے سامنے دو فرائض ہیں، ایک وہ کام ہی جو قوم کی جانب سے تمہارے سپرد کیا گیا ہی، اگر اس کی جانب توجہ کرتے ہو تو تمہارے مال و اولاد کو نقصان پہنچتا ہی، اور مال و اولاد کی حفظ و نگہداشت سے ملک و ملت کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے، اس کشمکش میں تمہارے جذبۂ اسلام پرستی اور ولولۂ دینی کا امتحان ہوگا، یہ مال و اولاد در اصل تمہارے لئے امتحان گاہ ہیں، اگر تم نے ملک و ملت کی خاطر ان کو قربان کر دیا تو دنیا و آخرت میں تمہیں بہترین جزا ملیگی، ان کی ضروریات بھی خود بخود سہولت و آسانی سے پوری ہو جائیگی، ابراہیم علیہ السلام نے وطن، قوم، اپنی جان عزیز، اور خود اولاد کو توحید پر قربان کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انی جاعلك للناس اماما، مال و اولاد کا ترک کرنا کوئی نیکی نہیں، لا رھبانیۃ فی الاسلام بلکہ ان دونوں کا ہونا ضروری ہی کہ آزمائش پوری ہو، ایک جگہ فرمایا: انما اموالکم واولادکم فتنہ واللہ عندہ اجر عظیم (۶۴: ۱۵) ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا: ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ، (۲۱: ۳۶) اسی لئے سورہ منافقون کے آخر میں آیا: یایھا الذین اٰمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذٰلك فاولٰئك ھم الخٰسرون (۶۳: ۹)

تقوی اللہ

(۲۹) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○

اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرتے رہوگے تو تمہارے لئے ایک امتیاز کر دے گا، اور تمہارے گناہ تم سے دور کر دیگا، اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔

اگر تم نے قانون الٰہی کی پابندی کی، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیا تو حسب ذیل نتائج رونما ہونگے:

(الف) فرقان کی قوت نوازش ہوگی جس سے تم نیک و بد، غث وسمین، اچھے اور برے، دوست اور دشمن، اور حق و باطل میں تمیز کر سکوگے، جنگ میں اس قوت کی خاص طور پر ضرورت ہوتی ہے تاکہ دشمن کا مکر و فریب کامیاب نہ ہوسکے!

(ب) ہر کام کرنے والے سے ضرور کچھ نہ کچھ فروگزاشتیں ہوجاتی ہیں، ان کا جبر نقصان محض تائید الٰہی پر موقوف ہے جس کو یہاں بتایا گیا ہے کہ تمہاری غلطیاں تمہاری راہِ ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہ بنیںگی۔

دوسری جگہ اس وعدہ کا ان الفاظ میں اعادہ کیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ (۵۷: ۲۸و۲۹)

دارالندوہ میں مشورہ

(۳۰) وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ

اور جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو قید کرلیں، یا قتل کر ڈالیں، یا نکال دیں، اور وہ داؤ کر رہے تھے، اور اللہ بھی داؤ کر رہا تھا، اور اللہ

الْمٰكِرِيْنَ ۝ | سب سے بہتر تدبیر والا ہی۔

اس آیت میں مکی زندگی کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہی جس کی تفصیل یہ ہی کہ جب کفار قریش نے دیکھا کہ مدینہ کے لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اُنھوں نے دار الندوہ میں ایک مجلس شوریٰ قائم کی، اس میں قریش کے تمام بڑے بڑے سرداروں نے شرکت کی، جن میں ابو سفیان، حکیم بن حزام، اور ابوجہل بن ہشام بھی تھے، بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ محمد بن عبد اللہ کو ایک مکان میں بند کر دیا جائے تاکہ یہ بھی زہیر ونابغہ کی طرح مر جائے، مگر اس رائے کو اس خیال سے مسترد کر دیا گیا کہ ان کے خاندان کے لوگ بدلہ لینے کو تیار ہو جائینگے، کسی نے کہا کہ اس کو کسی سرکش اونٹ پر بٹھا کر یہاں سے نکال دو، ہماری طرف سے کہیں جائے، کہیں رہے، جئے خواہ مرے، اس پر کسی نے جواب دیا کہ پھر یہ دوسروں کو اپنی جادو بیانی سے مسحور کر دیگا، اس لئے جلا وطنی بھی مناسب نہیں۔

آخر ابوجہل بن ہشام نے کہا کہ عرب کے ہر ایک مشہور قبیلہ سے ایک ایک جوانمرد کا انتخاب کر کے رات کی تاریکی میں ان کے مکان کو گھیر لیا جائے، جب صبح کو وہ نماز کے لئے نکلیں تو سب بہادر اپنی اپنی تلوار سے ان پر وار کریں، اور ان کی بوٹی بوٹی کر دیں، اس تدبیر کو سب نے بالاتفاق منظور کر لیا، کیونکہ اس صورت میں نہ تو ان کے قبیلہ کو بدلہ لینے کی طاقت ہوگی، اور نہ ان کو سچا جاننے والے کچھ شر و فساد اُٹھا سکینگے۔

یہ تو انسانی تدبیر تھی، اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام باتوں کی اطلاع کر دی، آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا دیا، اور خود ابوبکر کو ساتھ لیکر غار ثور میں پہنچ گئے، کفار نے غار تک تعاقب کیا، مگر ناکام و خاسر واپس لوٹے، دوسری جگہہ اس تدبیر کا ان الفاظ میں ذکر کیا: وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منہا واذا لا یلبثون خلافک الا قلیلا ۔ (۱۷: ۷۶)

جب دشمنان دین کی یہ کیفیت ہی، اُنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فنا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تو ان سے دوستی کی کیا توقع ہوسکتی ہی، ایسے لوگوں کے مقابلہ میں استقلال و ثبات قدم کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہی کہ قانون الٰہی کی پابندی کی جائے، اسی پابندی کا یہ نتیجہ تھا کہ کفار کی ہر تدبیر ناکام رہی، اور خدا کی بات پوری ہوکر رہی۔

(۳۱) وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○

اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کہہ لیں بس تو یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

ان لوگوں کو نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ بغض و عداوت ہی بلکہ اس تعلیم صحیح کو بھی مٹانے کی فکر میں ہیں، جو قرآن ان کے لئے زندگی بخش ہی اس کی نسبت ان کی رائے یہ ہی کہ ہم بھی اس طرح کہہ سکتے ہیں، قرآن حکیم میں گزشتہ اُمتوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں جن سے مقصد یہ ہی کہ انسان عبرت اندوز ہو، اور ان سے استشہاد و استدلال کا کام لے، مگر یہ لوگ ان میں درس و فکر سے کام نہیں لیتے، اس لئے کہتے ہیں کہ ان هٰذا الا اساطیر الاولین، دوسری جگہہ آتا ہی: وقالوا اساطیر الاوّلین اکتتبها فهی تملیٰ علیه بکرة واصیلاہ قل انزله الذی یعلم السّر فی السمٰوٰت والارض انه کان غفورا رحیما، (۲۵ : ۵ و ۶)

قانون تعذیب

(۳۲) وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (۳۳) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ

جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ! اگر یہی دین تیری طرف سے حق ہی تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب لے آ، اور اللہ ان کو عذاب نہ دیتا جب تک تم ان میں تھے، اور اللہ اُن کو عذاب

فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ | نہ دے گا جب تک وہ استغفار کرتے ہیں۔

بعض لوگ اپنی جہالت ونادانی کی بنا پر حق کی مخالفت کے باوجود گرفتار عذاب نہیں ہوتے تو انہیں اپنی راستی کا اوریقین ہوجاتا ہی، اور بسا اوقات اسی غلط فہمی کی وجہ سے وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ اگر یہ تعلیم درست ہی جس کی ہم مخالفت کرتے ہیں تو ہم کیوں نہیں ماخوذ ہوتے؟ اصل بات یہ ہی کہ انہیں قانون تعذیب کا علم نہیں، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ عذاب کن اسباب ومراتب کے بعد نازل ہوا کرتا ہی: ویستعجلونك بالعذاب ۔ ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب ۔ ولیاتینھم بغتة وھم لایشعرون، (۲۹: ۵۳) ایک جگہہ آتا ہی: وقالوا ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب (۳۸: ۱۶) شعیب علیہ السلام کی قوم بھی اسی غلطی کا شکار ہورہی تھی جب وہ عذاب کی دعا مانگ رہی تھی: فاسقط علینا کسفا من السماء ان کنت من الصٰدقین (۲۶: ۱۸۷) اس آیت نے بتادیا کہ عذاب کی تاخیر کے اسباب حسب ذیل ہیں:

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم الشان نبی، اللہ کے آخری رسول، اور رحمۃ للعالمین ہیں، اس لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہی آپ کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے خود کفار کا غلط معیار بھی پیش نظر رکھ لیا جاتا ہی، اگرچہ اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو، اور یہ صرف اس لئے ہوتا ہی کہ عام مخالفین آپ کی صداقت اور راستی سے واقف ہوجائیں، حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک آپ کی سچائی صرف اسی صورت میں تسلیم کی جاسکتی تھی جب آپ کشتی میں اس کو گرادیں، ظاہر ہی کہ یہ کوئی صحیح معیار نہ تھا مگر آپ نے بتقاضائے شفقت ورحمت اس کو بھی قبول کیا، اور ان کو کشتی میں گرادیا، اسی بنا پر وہ مشرف باسلام ہوئے، پس جب تک کفار کے دل میں اس شبہ کے باقی

رہنے کی گنجائش تھی کہ شاید وہی حق پر ہوں، اور یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہو، اس لئے اس وقت تک عذاب نازل نہیں ہوا۔

(ب) جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد رکھی ہے تو انہوں نے دعا کی تھی کہ اس کو امن کا شہر بنا: واذقال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدا امنا، (۲: ۱۲۶) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف اجابت بخشا، اور اسکو ہمیشہ کیلئے امن کا گھر بنا دیا: واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا، (۲: ۱۲۵) اب اگر ان کفار کی درخواست پر عذاب نازل کر دیا جائے تو دعائے خلیل کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اس لئے عذاب میں تاخیر ضروری ہے تاکہ وعدۂ الٰہی پورا ہو کر رہے۔

(ج) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ بھی ایک مستقل سبب ہے، ترمذی میں ہے: انزل علی امانین لامتی، وماکان اللہ لیعذبہم وانت فیہم وماکان اللہ معذبہم وھم یستغفرون، فاذا مضیت ترکت فیہم الاستغفار الی یوم القیمۃ، آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لئے دو چیزیں عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے نازل کی گئی ہیں، میرا وجود اور استغفار، میرے بعد صرف طلب مغفرت ہی نجات کا باعث بن سکتی ہے۔

(د) عذاب کے نزول سے قبل خبیث وطیب کا امتیاز ضروری ہے، پس جب تک یہ دونوں جماعتیں مخلوط ہیں، عذاب نہیں نازل ہوگا، چنانچہ آگے چل کر فرمایا: لیمیز اللہ الخبیث من الطیب ویجعل الخبیث بعضہ علیٰ بعض فیرکمہ جمیعا فیجعلہ فی جھنم، (۸: ۳۷)

(ہ) بعض لوگ استغفار بھی کرتے ہیں، اس لئے عذاب الٰہی موخر ہوگا جیسا کہ ترمذی کی حدیث تم ابھی پڑھ آئے ہو،

بیت اللہ کے وارث

(۳۴) وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْآ اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (۳۵) وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ

اور اب ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے، اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، اور وہ اس کے متولی نہیں، بس اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں، لیکن ان میں اکثر لوگ خبر نہیں رکھتے، اور خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی، تو اس کفر کے بدلہ میں عذاب چکھو جو تم کرتے تھے۔

جب کفار قریش کی یہ حالت ہو گئی کہ مسجد حرام میں آنے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اور وہ تمام رکاوٹیں بھی دور ہو گئیں جو عذاب الٰہی کی روک کا باعث بن رہی تھیں تو ان پر عذاب کیوں نہ نازل ہو گا، یہ لوگ لاکھ اپنی تولیت اور وراثت کے دعاوی پیش کریں مگر ان حرکات کی وجہ سے ان کے تمام حقوق باطل ہو گئے، بیت اللہ کے وارث تو صرف ارباب صلاح و تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں، اس آیت میں پیشین گوئی کے طور پر فرما دیا کہ کفار قریش عنقریب اس وراثت سے محروم کر دیے جائیں گے، اور فرزندان اسلام ان کی جگہ لیں گے، سورۂ توبہ میں اس کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا: ماكان للمشركين ان يعمروا مسجد الله شهدين على انفسهم بالكفر اولئك حبطت اعمالهم وفى النار هم خلدون ○ انما يعمر مسجد الله من امن بالله واليوم الاخر واقام الصلوة واتى الزكوة ولم يخش الا الله (۹: ۱۷ و ۱۸)

قریش کا یہ دعویٰ تو ضرور ہے کہ وہ ملت ابراہیمی کے پابند ہیں مگر ان کے اعمال اس کے بخط مستقیم مخالف ہیں، حج بیت اللہ کو جاتے ہیں تو وہاں جا کر سیٹیاں اور تالیاں بجانا ان کا کام ہے، بھلا ایسے لوگ اس گھر کے وارث بن سکتے ہیں، اب تو انہیں اپنی کفر د

باطل پرستارانہ سعی و کوشش کے عواقب الیمہ بھگتنا پڑینگے۔

(۳۶) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ۬ (۳۷) وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ، (۳۸) لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَ یَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۳۹) قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ○

بیشک جو کافر ہیں، وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں، تو وہ خرچ کرتے رہینگے، پھر انجام کار وہ ان کے لئے موجب حسرت ہوگا، اور آخر وہ مغلوب ہونگے، اور جو کافر ہیں وہ سب جہنم کی طرف ہانکے جائینگے تاکہ اللہ پاک کو ناپاک سے الگ کردے، اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھے، پھر ان سب کا ڈھیر بنائے، پھر اس کو جہنم میں ڈال دے، یہی لوگ نقصان والے ہیں، کافروں سے کہدو کہ اگر باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا معاف کردیا جائے، اور اگر پھر وہی کرینگے تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے۔

کفار اپنا تمام مال و متاع اور ہر قسم کی سعی و کوشش لوگوں کو بیت اللہ الحرام میں آنے سے روکنے، اور مسلمانوں کو دوسروں کا غلام بنانے میں صرف کر رہے ہیں، یہ ایسا ہی کرتے رہیں گے، انجام کار باطل فنا ہو جائیگا، اور چاروں طرف حق کی فرمانروائی ہوگی، اس وقت مخالفین حسرت و ندامت کے مارے پانی پانی ہو جائیں گے کہ خرچ بھی کیا، اور ذلیل و رسوا بھی ہوئے، یہ تو دنیا کی تکلیف و مصیبت ہے، مرنے کے بعد ان سب کو جہنم میں داخل کیا جائیگا، لیکن اسلام کے غلبہ و اقتدار سے قبل ضروری تھا کہ خبیث اور طیب میں فرق و امتیاز کیا جائے تاکہ دونوں کی صفیں جدا گانہ نظر آنے لگیں، مخالفین اپنی قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کرلیں اور پھر سب کو آگ میں جھونک دیا جائے۔

اب بھی اگر یہ لوگ باز آجائیں تو بہتر، ورنہ تاریخ کو اٹھاکر دیکھ لیں جن قوموں نے

ہماری مخالفت کی ہی وہ کس طرح تباہ و برباد ہوگئیں، وکان حقا علینا نصر المومنین، اور کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی، اور وان حزب اللہ ھم المفلحون، اور والعاقبۃ للمتقین اسی سنت اللہ کو بیان کرتی ہیں، ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ یہی تذکیر بایام اللہ ہی۔ اور اسی لئے بار بار کہا گیا: سیروفی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المفسدین، پس اگر اپنی فلاح و کامرانی کے طالب ہو تو اسلام کی مخالفت سے باز آجاؤ۔

ہمیشہ جنگ کرتے رہو

(۳۹) وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ،	اور ان سے لڑتے ہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سب دین اللہ کا ہو جاسے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہی،
(۴۰) وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○	اور اگر سرتابی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہی، کیا اچھا حمایتی ہی، اور کیا خوب مددگار۔

گزشتہ رکوع میں بتایا گیا کہ اس قسم کے لوگ مسلمانوں کو تباہ کرنے کی فکر میں رہینگے، ان کے مقابلہ میں ارباب اخلاص و توحید کی ضرور مدد ہوگی، لیکن اس نصرت و اعانت کے لئے ضروری ہی کہ مسلمان اس قرآن کو اپنا دستور العمل بنالیں جو رسول اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہی، اور کفار کے ساتھ برابر جنگ کرتے رہیں، دنیا میں نور اور ظلمت، حق اور باطل، اسلام اور کفر کے سلاسل مختلفہ ہمیشہ رہینگے، دونوں ایک دوسرے کو فنا کرنے کی کوشش کرینگے، کفر و باطل پرستی کے ہوتے ہوئے دنیا میں امن و سلامتی کا قیام ناممکن ہی، پس اگر چاہتے ہو کہ کرہ ارضی امن و امان کا گہوارہ بن جائے، تو دائمی طور پر جنگ کے لئے تیار رہو یہاں تک کہ قانون الٰہی رائج و نافذ ہو، کوئی انسانی طاقت اس کی تبدیل و تنقیص نہ کرسکے، فتنہ فرو ہو جائے، چاروں طرف اسلام کی حکومت

ہو، اور جملہ مذاہب و اقوام اسکے ماتحت امن کی زندگی بسر کریں، اسی کو کہا گیا: حتی تضع الحرب اوزارھا، یعنی جب تک دنیا میں جنگ کی صورت باقی ہے، مسلمان اس کے لئے تیار رہینگے، یہی حتی لا تکون فتنة ویکون الدین للہ ہے، اسی کی نسبت حدیث میں آیا: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، فاذا قالوھا عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ، جب ایک شخص نے دربار رسالت میں سوال کیا کہ: رجل یقاتل شجاعة ویقاتل حمیة ویقاتل ریاء، ان میں سے کونسا شخص اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا: من قاتل لتکون کلمة اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ تو اس سے بھی یہی مراد ہے۔ اسامۃ بن زید نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا، اس کی اطلاع جب آپ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: اقتلته بعد ما قال لا الہ الا اللہ، فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ یوم القیمة، اسامہ نے عرض کیا کہ اس نے جان بچانے کی خاطر ایسا کیا تھا، آپ نے کہا: ھلا شققت عن قلبه تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا، آپ بار بار یہی فرماتے تھے کہ قیامت کے روز تم اس کلمہ توحید کا کیا جواب دوگے یہاں تک کہ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ کاش میں اس روز سے قبل تک مسلمان ہی نہ ہوتا: تمنیت انی لم اکن اسلمت الا یومئذ، تو اس سے بھی یہی بتانا تھا، اس لئے فرمایا: وقاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسوله ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون، (۹: ۲۹) اس لئے کہ یہ فتنہ و فساد کے بانی ہیں، اور الفتنة اشد من القتل، بدنظمی قتل سے بھی زیادہ نقصان رساں ہے، پس ان لوگوں کا گرفتار کرنا ضروری و لازمی ہے۔

اسلام دنیا میں خون بہانے، اور انسان کو ذبح کرنے کے لئے نہیں آیا، اس کا مقصد اصلی قانون الہی کی نشر و اشاعت، اور امن و سلامتی کا قیام ہے، اس لئے جس وقت

بھی کفار اسلام کی مخالفت ترک کر دیں، صحیح تعلیم دنیا میں رائج ہو جائے، اور شہنشاہی قانون کے درجہ پر قرآن کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر تلوار کو نیام میں کر لیا جائیگا، اس کے بعد وہ جو کچھ کرینگے، اللہ کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا، لیکن اگر انہوں نے سرتابی کی تو تمہاری ولایت و نصرت کے لئے اللہ کافی ہے، وہ ضرور تمہاری مدد کریگا، پس صرف اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنی غایت الغایات اور مقصد حیات بنالو، اور مال غنیمت کی پروا نہ کرو۔

تقسیم غنائم

(۱۴) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ -	اور جان رکھو کہ جو کچھ تم لوٹ کر لاؤ تو اللہ اور رسول اور قرابت داروں، اور یتیموں، اور محتاجوں، اور مسافروں کا اس میں سے پانچواں حصہ ہے، اگر تم اللہ پر اور اس غیبی مدد پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن نازل کی جس روز دو لشکر مل گئے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد امن و سلامتی کا قیام، اور قانون الٰہی کی نشر و توزیع ہے، یعنی یہ بتا دیا کہ جب ایک مسلمان اس فرض اہم کی خاطر گھر سے نکلیگا تو ظاہر ہے کہ اس کا مقصد جمع مال نہیں ہو سکتا، البتہ اگر کچھ ہاتھ آجائے تو اس کی تقسیم یوں ہوگی کہ اس کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر ہوگا جو اس کو اپنے اہل و عیال، عزیز و قریب، یتامیٰ و مساکین، اور مسافروں پر صرف کر دینگے، ذوی القربیٰ میں صرف بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب شامل ہیں، کیونکہ ان لوگوں نے زمانۂ کفر میں بھی آپ کی ہر طرح حمایت کی، یہ ضروری نہ ہوگا کہ ان پانچوں مصارف میں مال برابر تقسیم کیا جائے، بلکہ امام ضرورت کو دیکھیگا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ذوی القربیٰ نے دولتمند ہونے کی وجہ سے اس مال کو لینے سے انکار کر دیا تھا۔

جنگ بدر کو یوم الفرقان سے تعبیر کیا گیا اس لئے کہ اس روز کفار کو سخت ترین ہزیمت نصیب ہوئی، کفر و بطلان کا جھنڈا گر گیا، اور ان کو معلوم ہو گیا کہ مسلمان بھی زندہ رہنے کی قابلیت رکھتے ہیں، ادھر حق و باطل میں تمیز ہو گئی۔

(۴۲) إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ○

جب تم اس سرے پر تھے، اور کافر پرلے سرے پر، اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو، اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور وعدہ میں اختلاف کرتے، لیکن تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جسے اس کو کرنا تھا، تاکہ جو مرتا ہے سمجھ بوجھ کر مرے، اور جو زندہ رہتا ہے سوچ سمجھ کر زندہ رہے، اور بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔

معرکۂ بدر میں جس قدر کامیابی ہوئی وہ محض فضل و احسان خداوندی کا نتیجہ تھی، ورنہ واقعات تو یہ تھے کہ مدینہ کے اس طرف لشکر اسلام خیمہ زن تھا، اور دوسری جانب لشکر کفار، پانی بھی اسی طرف تھا، پھر جس قافلہ کی تلاش میں مسلمان نکلے تھے وہ بھی سمندر کے کنارہ اس میدان سے تین میل کے فاصلہ پر تھا، ان حالات کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غزوہ بدر کی کامیابی کسی کی قوت بازو کی طرف منسوب کی جائے، فرض کیجئے کہ یہ لوگ آپس میں خط و کتابت کر کے لڑائی کی ایک تاریخ معین کر لیتے، پھر بھی بالکل ممکن تھا کہ مسلمان اپنی بے سروسامانی کا خیال کر کے میدان جنگ میں نہ جاتے، یا کفار ہی نہ آتے، مگر اللہ تعالیٰ تو کچھ اور ہی چاہتا تھا، مقصد یہ تھا کہ رسول علیہ السلام کے ہاتھوں اسی زندگی میں کافروں کی شان و شوکت کو مٹا دیا جائے اور اس کی نسبت قرآن حکیم نے اپنے نزول کی ابتدائی ایام میں خبر دیدی تھی: ولنذیقنهم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون، (۳۲ : ۲۱) ایک جگہ فرمایا: کذّلت

العذاب و لعذاب الآخرة اکبر لو کانوا یعلمون۔ (۶۸: ۳۳) تاکہ آج جو لوگ ہلاک ہوں وہ کتے کی موت نہ مریں، بلکہ اپنے تمام ارمان نکال کر مریں، اور جو زندہ رہیں وہ عزت و احترام کی زندگی بسر کریں۔ اللہ تعالیٰ کو تو ہر ایک گروہ کی حالت معلوم ہے، اور وہ سب ہی کی دعاؤں کو سنتا ہے۔

گدایان عشق

(۴۳) اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا ط وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ ط اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۴۴) وَاِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِھِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ط وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○	جب اللہ نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑا دکھایا، اور اگر وہ تمہیں بہت کر دکھاتا تو تم ضرور بزدل ہو جاتے اور کام میں جھگڑا کرتے، لیکن اللہ نے بچا لیا، بیشک وہ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، اور جب مٹھ بھیڑ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تم کو کافر تھوڑے دکھائے، اور کافروں کی آنکھوں میں تم کو تھوڑا دکھایا، تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جسکو کرنا تھا، اور اللہ ہی کی جانب تمام کام لوٹائے جاتے ہیں

ان آیات میں بھی یوم الفرقان کے بعض واقعات کو بیان کیا گیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ بدر سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بدر کا واقعہ دیکھا کہ کفار کی تھوڑی سی تعداد ہمارے مقابلہ پر ہے، آپ نے اس خواب کی اطلاع صحابہ کو دی، اس میں شک نہیں کہ کفار کی تعداد حقیقت میں کہیں زیادہ تھی، مگر جنگ کی کامیابی کا دار و مدار اخلاق فاضلہ، صبر و استقامت، اور ثبات قدم پر ہوتا ہے، اگر یہ نہیں تو کفار و مخالفین کے عظیم الشان لشکر بھی حقیر و ذلیل دکھائی دینگے، اور ایک صابر و مستقل مزاج فوج کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ نے ان دشمنان دین کو تھوڑی تعداد میں دیکھا، اور اسی خواب کی وجہ سے مسلمانوں میں اور زیادہ جوش و ولولہ پیدا ہو گیا،

اور یہی اللہ کا مقصد تھا۔

جب دونوں فوجیں میدان میں صف آرا ہوئیں تو اس وقت بھی یہی کیفیت تھی کہ مسلمان اپنی بلند حوصلگی، جرأت و جلادت، اعتماد و توکل علی اللہ اور وعدۂ نصرت کی وجہ سے کفار کی تعداد کو کم خیال کرتے تھے، ابن مسعود کہتے ہیں: لقد قللوا فی اعیننا یوم بدر حتی قلت لرجل الی جنبی تراھم سبعین قال لا بل ھم مائة حتی اخذنا رجلا منھم فسالناہ فقال کنا الفا، جنگ بدر میں یہ لوگ ہمیں بہت کم دکھائی دیتے تھے یہاں تک کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کی تعداد ستر ہوگی، اس نے کہا نہیں سو ہونگے، یہاں تک کہ ہم نے ایک کافر کو گرفتار کیا جس نے بتایا کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔

جس وقت امام احمد بن حنبل، طرطوس پہنچے ہیں، اور ابراہیم بن مصعب کوتوال ان کے پاس گیا، تو وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبل سے بڑھکر بے خوف نہیں پایا: یومئذ ماغن فی عینیه الا کامثال الذباب، ہم عمال حکومت ان کی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے، اور یہ بالکل حق ہے، جن لوگوں کی نظروں میں جلال الٰہی سمایا ہو، وہ مٹی کے ان پتلوں کو کیا چیز سمجھتے ہیں جنہوں نے لوہا تیز کر کے کندھے پر ڈال رکھا ہے، یا بہت سا چاندی سونا اپنے جسم پر لپیٹ لیا ہے، ان کو تو خود اقلیم عشق الٰہی کی سرداری و شاہی، اور شہرستان صدق و صفا کا تاج و تخت حاصل ہے:

مبیں حقیر گدایان عشق راکیں قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند!

کفار کو اپنے لشکر کی کثرت، اور آراستگی سامان پر غرور و تکبر رہا اس لئے وہ مسلمانوں کو حقیر و ذلیل ہی خیال کرتے رہے، اور حقیقت میں ان کی تعداد بھی ان سے کئی گنا کم تھی، غزوۂ بدر کے متعلق اسی قسم کی ایک آیت آل عمران میں بھی آتی ہے: قد کان لکم ایة فی فئتین التقتا فئة تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرة یرونھم مثلیھم

رأی العین۔ واللہ یؤید بنصرہ من یشاء، (۳: ۱۲) اس میں اور سورۂ انفال کی آیت میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ اس میں ایک حقیقت ثابتہ کو بیان کیا جاتا ہے، کہ کفار کو مسلمان اپنے سے دو چند دیکھتے تھے، مسلمانوں کی تعداد تو صرف ۳۱۳ تھی، کفار چھ سو آدمی تو میدان میں لاے تھے اور باقی کو پہاڑ کے پیچھے چھپا رکھا تھا کہ ضرورت کے وقت ان سے کام لینگے، اس لئے مسلمانوں کا اپنے آپ سے ان کو دوگنا دیکھنا حقیقت پر مبنی تھا۔

جنگ بدر دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نہایت ہی زبردست دلیل تھی، نہ صرف اس لئے کہ اس کی بنا پر وہ تمام پیشین گوئیاں ثابت ہو گئیں جو قرآن حکیم میں بیان کی گئی تھیں کہ کفار ذلیل ہونگے، اور وہ بھی ایک ایسے لشکر کے ہاتھوں جو تعداد اور سامان میں ان سے کم ہوگا، بلکہ اس لئے بھی کہ تورات و انجیل میں بھی اس جنگ کی خبر ملتی ہے، اور وہ یہ ہے:

عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے اے ددانیوں کے قافلو۔ پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو۔ روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے، ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے، اور جنگ کی شدت سے بھاگتے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا ہنوز ایک برس، ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہیگی، اور تیراندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائینگے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا: (یسعیاہ ۲۱: ۱۳ تا ۱۷)

یہ لڑائی جس طرح کفار قریش کے لئے یوم الفرقان تھی، ایسے ہی یہود و نصاریٰ کے لئے بھی تھی کیونکہ ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جو انجام ان لوگوں کا ہوا ہے، وہی ہمارا ہوگا:

"اور جو اس پتھر پر گریگا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے، اور جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالیگا"

(متی ۲۱: ۴۴)

جھگڑا مت کرو

(۵۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۴۶) وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

اے ایمان والو! جب تم کسی فوج سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ، اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ ہمت ہار دوگے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت میں فرمایا کہ ثابت قدمی کامیابی کی ذمہ دار وکفیل ہے، اور چونکہ جنگ میں اکثر وحشت وبربریت کا ظہور ہوتا ہے اس لئے ذکر اللہ پر زور دیا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تقوی وطہارت کی وجہ سے تم ان ناشائستہ حرکات کے مرتکب نہ ہوگے، جن کا عام طور پر میدان جنگ میں جوش وہیجان کے وقت ارتکاب کیا جاتا ہے، تم میں ہمت اور جراءت پیدا ہوگی، اور تم کامیاب ہوجاؤگے!

ہر چند پیر خستہ دل وناتواں شدم
ہرگاہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم!

حدیث میں آتا ہے: ثنتان لا يردان الدعاء عند النداء وعند البأس حين يلحم بعضهم بعضا، اذان اور لڑائی کے وقت ضرور دعا قبول ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يا أيها الناس لا تتمنوا لقاء العدو واسألوا الله العافية فاذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السيوف، لوگو! دشمن سے جنگ کرنے کی تم اپنی طرف سے آرزو نہ کرو، بلکہ اللہ سے خیر وعافیت کے طلبگار رہو، مگر جس وقت مقابلہ ہوجائے تو صبر واستقامت سے کام لو، اور یہ یقین کرلو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ملیگی۔

اللہ نے جو قانون نازل کیا ہے اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنالو، اور جس طریق پر

رسول نے اس کی شرح و تفسیر کی ہی اس کو اپنا طریق کار اختیار کرلو، اور آپس میں کبھی منازعت نہ کرو، کیونکہ جہاں تم نے اختلاف کیا تمہارا رعب و دبدبہ جاتا رہیگا، دشمن تم کو حقیر و ناتواں خیال کرنے لگیں گے حقیقت یہ ہی کہ چند ضعیف و ناتوان انسانوں کا آپس میں متحد ہو جانا وہ اثر رکھتا ہی کہ عظیم الشان لشکر بھی اس کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہیں، یہی وجہ ہی کہ قرآن حکیم نے بار بار اتحاد و اجتماع پر زور دیا ہی، ایک جگہہ فرمایا: واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا، (۳: ۱۰۳) آگے چل کر بتایا کہ اختلاف و تفریق کی زندگی کو بقا و قیام نہیں: وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا، خدا نے اتحاد کو اپنی ایک نعمت قرار دیا: لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بینہم، (۸: ۶۹) اسی لئے حدیث میں آیا: علیکم بالجماعۃ فان الشیطن مع الفذ وہو من الاثنین ابعد، اور علیکم بالسواد الاعظم، اور ید اللہ علی الجماعۃ یہی اجتماع تھا جس نے عرب کو شتربانی سے جہانبانی تک پہنچا دیا، نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا یہی منشا تھا کہ اجتماعی زندگی پیدا ہو، اسی حیات اجتماعی کو مضبوط کرنے کے لئے زکوٰۃ فرض ہوئی: توخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم، حج بیت اللہ میں عرفات کے اجتماع پر زور دیا، اور اسی اتحاد باہمی کو ان الفاظ میں بیان کیا: مثل المؤمنین فی توادھم وتعاطفہم کمثل الجسد الواحد، اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی۔

اسباب ہزیمت

(۴۷) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا	اور ان جیسے نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کو نکلے، اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اس کا

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ | احاطہ کئے ہوئے ہے۔

جہاں مسلمانوں کو فتح و کامرانی کے مختلف اسباب و وسائل تعلیم دیئے وہاں یہ بھی بتا دیا کہ میدان جنگ کو جاتے وقت فخر و تکبر، عجب و غرور، اور نمود و شہرت سے پرہیز کرنا، کیونکہ یہی چیزیں شکست کا باعث بن جاتی ہیں، کفار مکہ کو دیکھو، عظیم الشان لشکر لئے ہوئے آرہے ہیں، مگر شکست کھاتے ہیں، اس لئے کہ وہ شہرت و ناموری، اور غرور و تکبر کی خاطر گھروں سے نکلے تھے، جس وقت ابوجہل کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان قافلہ کو بچا لے گیا ہے تو بعض نے اس سے کہا کہ اب مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں، مگر اس نے جواب دیا: لا واللہ لا نرجع حتی نرد ماء بدر و ننحر الجزور و نشرب الخمر و تعزف علینا القیان و تتحدث العرب بمکاننا فیها یومنا ابداً، ہم ہرگز واپس نہ ہونگے جب تک بدر پہنچکر جانور ذبح نہ کریں، شراب نہ پئیں، اور گانے والی عورتیں نہ گائیں تاکہ اہل عرب ہمیشہ کے لئے اس واقعہ کو یاد رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے روز یوں دعا کی تھی: اللهم ان قريشا قد اقبلت بفخرها وخيلائها لتجادل رسولك، مسلمانوں کے لشکر کی قرآن حکیم نے سب سے بڑی خصوصیت یہ بیان کی ہے: لا رفث ولا فسوق ولا جدال۔

اس کے علاوہ کفار میں ایک مرض یہ بھی تھا کہ وہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے، اور انہوں نے مکہ کے دوران میں مسلمانوں پر بے انتہا مصیبتیں نازل کر رکھی تھیں، پھر ایسے لوگ کہاں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

(۴۸) وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ	اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو بھلے کر دکھائے، اور یوں کہ لوگوں میں سے آج کے دن تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حمایتی ہوں، پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں تو وہ اپنے اُلٹے

وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ ؕ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

پاؤں چلتا بنا، اور کہا کہ مجھکو تم سے کچھ سروکار نہیں، میں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

قریش جب بدر کے قریب پہنچے تو ان کو اطلاع ملی کہ قافلہ بچ گیا ہے، اس لئے واپس لوٹ جانا چاہیے، مگر ابوجہل کی رائے یہی تھی کہ اس مرتبہ جنگ ہو کر رہے، اتفاق سے اس اختلاف رائے کے وقت شیطان بھی سراقہ بن مالک بن جعشم، سردار بنو بکر کی صورت میں آموجود ہوا، اس نے ان لوگوں کی ہمت بڑھائی، ہر قسم کی امداد کا وعدہ کیا، اور کہا کہ آج تو تم یقیناً کامیاب ہو کر رہوگے، مگر جب جنگ شروع ہوئی اور اس نے ملائکۃ الرحمٰن کو دیکھا تو بھاگا، لوگوں نے اس کو روکا مگر اس نے جواب دیا کہ میں فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں اور وہ تمہاری نظروں سے مخفی ہیں، ان سے مقابلہ کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں،

جب کفار کو شکست ہوئی اور یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس لوٹے تو ان لوگوں نے سراقہ سے بدعہدی کی شکایت کی، اس نے کہا کہ میں تو اس روز یہاں سے کہیں نہیں گیا، اس لئے واقعہ یہی ہے کہ شیطان اس سردار کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، یہ امر بالکل واضح ہے کہ شیطان کے مواعید کا ذبہ پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے؟ ایک جگہ آتا ہے: یعدھم ویمنیھم وما یعدھم الشیطٰن الا غرورا، (۴: ۱۱۹) سورۂ حشر میں فرمایا: کمثل الشیطٰن اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک انی اخاف اللہ رب العٰلمین، (۵۹: ۱۶) قیامت کے روز وہ اپنے احباب سے یوں خطاب کریگا: ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم ؕ وما کان لی علیکم من سلطٰن الا ان دعوتکم فاستجبتم لی ؕ فلا تلوموني ولوموا انفسکم ؕ ما انا بمصرخکم وما انتم بمصرخی ؕ انی کفرت بما اشرکتمون من قبل، (۱۴: ۲۲)

پس ان آیات سے یہ معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کے اتفاق کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ قانون الٰہی کے پابند ہوں، رسول اللہ کے نقش قدم پر چلیں، وحدت مقصد ہو، استقامت اور ثبات قدم کو ہاتھ سے نہ دیں، اور نام و نمود اور عجب و غرور سے مجتنب ہیں

ارباب نفاق

(۴۹) إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۵۰) وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (۵۱) ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ○

جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ ان کے دین نے ان کو تو مغرور کر دیا ہے، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ زبردست حکمت والا ہے، اور کاش تم دیکھو جب فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہیں، اور کہتے جاتے ہیں کہ جلنے والا عذاب چکھو، یہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے بھیجا ہے اور اس لئے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

شیطان کا اپنے دوستوں کو خوش کرنا، اور اعمال فاسقہ کو ان کی نظروں میں اچھا کر دکھانا صرف کفار ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ منافقین مدینہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں، جو کفر و نفاق کے امراض خبیثہ کا شکار ہیں، ان لوگوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کفار کے مقابلہ میں جا رہی ہے تو کہنے لگے کہ غر ھولاء دینھم مسلمان اس خیال باطل میں مبتلا ہیں کہ صرف مذہب کی بنا پر ترقی کرینگے، مذہب اسلام کی پابندی سے انہیں ہر قسم کی کامیابی نصیب ہوگی، اور اگر تمام دنیا بھی ان کے فنا کرنے کا فیصلہ کرلے تو پھر بھی ناکام رہیگی، واقعہ بدر کی مثال ان منافقوں کے سامنے تھی، اور ان کا خیال تھا کہ مسلمان غرور اور تکبر میں ایسا کر رہے ہیں جو ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لیجا رہے ہیں، اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ غرور اور تکبر کی بنا پر نہیں بلکہ

اعتماد و توکل علی اللہ کا نتیجہ ہے جو ان میں اس قدر جوش و ولولہ پیدا ہو گیا ہی، اور جو شخص بھی خدائے واحد پر بھروسہ کریگا، وہ اس کے لئے کافی ہی، اس لئے کہ وہ عزیز و حکیم ہے، ضرور غالب کر کے رہیگا۔

پھر جو لوگ اس مرض کفر و نفاق کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں ان کے انجام پر نگاہ ڈالو، کس طرح مرنے کے وقت ان کو تکلیف و مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہی، جنگ بدر میں جو کفار مرے ان کی حالت آپ کے سامنے ہی، اور تمام دشمنان دین کی عاقبت کار ایسی ہی ہوا کرتی ہی، اور موت کے فرشتے اسی طرح ان کی جان نکالتے ہیں، ایک جگہ آتا ہی: ولو تری اذ الظلمون فی غمرٰت الموت والملئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم، (۶: ۹۳) اور یہ تمام ترسختی اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا، حدیث میں آتا ہی: ان اللہ تعالیٰ یقول انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلا تظالموا، یاعبادی انما ھی اعمالکم احصیھا لکم فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ، ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسہ،

تذکیر بایام اللہ

(۵۲) کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ، (۵۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، (۵۴) كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

جیسے فرعون کی قوم اور ان لوگوں کی عادت تھی جو ان سے پہلے تھے کہ اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے، تو ان کے گناہوں پر اللہ نے ان کو پکڑا، بے شک اللہ قوت والا سخت عذاب کرنے والا ہی، یہ سب اس لئے ہی کہ اللہ ہرگز اس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو دی ہو جب تک کہ وہ اپنا حال نہ بدل دیں، جیسے فرعون کی قوم اور ان لوگوں کی عادت تھی جو ان سے پہلے تھے کہ اپنے رب کی آیتیں جھٹلائیں،

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ | تو ہمنے انکو انکے گناہوں پر ہلاک کردیا، اور فرعون کے لوگوں کو غرق کردیا، اور وہ سب ظالم تھے۔

قریش بیت اللہ کے مجاور تھے، جب تک انہوں نے ایک حق پرست جماعت کو فنا کرنے کی کوشش نہیں کی، ان کو اس عزت سے محروم نہیں کیا گیا، ان کی مثال فرعون کی قوم اور ان لوگوں کی سی ہی جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، اُنہوں نے آیات الٰہیہ کی تکذیب شروع کی تو مبتلائے عذاب ہوئے، خدا کا قانون یہ ہی کہ جب وہ کسی قوم کو کوئی نعمت نوازش کرتا ہی تو اس میں کوئی ردوبدل نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو بگاڑ نہ لے، اس تبدیلی کے ہوتے ہی خدا کے فرشتے اس قوم کی تباہی کے لئے مسلّط کر دیے جاتے ہیں: ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم، (۱۳: ۱۲) چنانچہ دیکھ لو کہ جب تک فرعون اور اس کی قوم کے لوگ اپنے فرائض ادا کرتے رہے ان سے سلطنت نہیں چھینی گئی، مگر جس وقت وہ ایک حق پرست جماعت کے فنا کرنے کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کو غرق کر دیا، اور ان سے تمام نعمتیں چھین لیں: فاخرجنہم من جنت وعیون ○ وکنوز ومقام کریم، (۲۶: ۵۷ و ۵۸) کفار قریش بھی فرعونیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مثیل موسیٰ ہونے کی وجہ سے ان کو تباہ کر دینگے۔

نقض عہد

(۵۵) اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ، (۵۶) الَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (۵۷) فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ | سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو منکر ہیں پھر نہیں مانتے، وہ لوگ کہ جن سے تم نے عہد لیا، پھر وہ اپنا عہد ہر دفعہ توڑ ڈالتے ہیں، اور وہ ڈرتے نہیں تو اگر ان کو لڑائی میں پاؤ تو ایسی سزا دو کہ ان کو دیکھکر پچھلے لوگ بھاگ جائیں

بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ، (۵۸) وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ، (۵۹) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ط إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ○

شاید وہ عبرت پکڑیں، اور اگر تم کو کسی قوم کیطرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف برابر سرا برپھینک مارو، بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے، بیشک وہ عاجز نہیں کرسکتے۔

گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ یہ تمام کفار ظالم ہیں، اب ان کے امتیازات وخصائص بیان ہوتے ہیں:

(الف) انکو ایمان باللہ سے بے انتہا نفرت ہی۔

(ب) اپنے کسی عہد پر قائم نہیں رہتے، اور ان کو ہمیشہ توڑتے رہتے ہیں۔

دنیا کے امن عامہ کی خاطر ان لوگوں سے یہی سلوک ضروری ہی ان کو ایسی سزا دی جائے کہ دوسرے کافر بھی اس سے عبرت اندوز ہوں، اور نقض عہد کا سدباب ہوجائے، کفار قریش کبھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، اس لئے جنگ بدر میں ان کی قوت پاش پاش کردی گئی، بنو قریظہ نے بھی جنگ احزاب میں خلاف عہد قریش کی اعانت کی، اس لئے فوراً تباہ کردیے گئے۔

پس ظاہر ہے کہ اگر کفار اپنی شرارت سے باز رہیں، اسلام کی راہ ترقی میں رکاوٹ نہ پیدا کریں، اور نقض عہد کے مرتکب نہ ہوں، تو مسلمان بھی ان سے مزاحم نہ ہونگے، لیکن گروہ خیانت سے باز نہ آئے تو مسلمان بھی ان کی سرکوبی کے لئے تیار ہیں، اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان خیانت کرنے والوں کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کامیاب نہ ہونے دیگا،

جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار مصر میں اپنی پاکدامنی کا اظہار کیا، اور عزیز مصر نے ان کو خزائن ملک کا مالک بنادیا تو انہوں نے بھی اپنے آقا کو مخاطب کرکے اسی قانون کی طرف توجہ دلائی تھی کہ خائن کبھی اس طرح ترقی نہیں کرسکتا: ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ

انی لم اخنه بالغیب وان اللہ لایھدی کید الخائنین، (۱۲ : ۵۲) کفار کبھی مسلمانوں سے بازی نہ لے جائینگے، سورہ عنکبوت میں فرمایا: ام حسب الذین یعملون السیات ان یسبقونا، ساء مایحکمون، (۲۹ : ۴) ایک جگہہ آیا: لاتحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض وماوٰہم النار ولبئس المصیر، (۲۴ : ۵۶) دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد، متاع قلیل ثم ماوٰہم جہنم وبئس المھاد، (۳ : ۱۹۶ و ۱۹۷)

سامان حرب کی فراہمی

(۶۰) وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○

اور جہاں تک ہوسکے ان کے مقابلہ کے لئے قوت سے اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے ساز و سامان مہیا کئے رہو کہ ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں، اور اپنے دشمنوں اور ان کے سوا دوسروں پر جن کو تم نہیں جانتے، اور اللہ ان کو جانتا ہے دھاک بٹھاؤگے، اور جو کچھہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے وہ تم کو پورا دیا جائیگا اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔

دنیا کی سرکش طاقتوں اور شیطانی حکومتوں نے ہمیشہ صرف قوت کے آگے سر جھکایا ہے، اخلاقیات کا وعظ، نوع انسانی کی ہمدردی، اور علوم و معارف کی نشر و اشاعت ان لوگوں کے نزدیک دلفریب الفاظ ہیں اگر کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوئے، امن و سلامتی نے جب کبھی پناہ لی ہے تو تلوار کے سایہ میں، اور عہد کی پابندی بھی ہوئی ہے تو اسی وقت جب دیکھا کہ دشمن زیادہ طاقتور ہے، ورنہ ان عہدناموں کی کاغذ کے پرزوں سے زیادہ وقعت نہ کی گئی، اور بعض لوگ تو طاقت کے غرور میں یہاں تک پکار اٹھے کہ عہدنامے صرف توڑنے کی غرض سے کئے جاتے ہیں، یہ تمام کرشمہ قوت و طاقت ہے۔

اور یہ کوئی نئی چیز نہیں، صدیوں پیشتر یہی آواز ہمارے کان میں آتی ہے:

ونکران شئنا علی الناس قولہم
ولا ینکرون القول حین نقول!

ایک جاہلی شاعر اپنی طاقت کا یوں اظہار کرتا ہے:

اذا بلغ الفطام لنا صبی
تخرلہ الجبابر ساجدینا!

چونکہ لوگ قوت و طاقت کے سوا اور کسی چیز کو نہیں مانتے اس لئے فرمایا کہ مسلمان بھی تلوار کا جواب تلوار سے دینے کے لئے تیار رہیں تاکہ نہ صرف موجودہ دشمن مرعوب ہوں بلکہ وہ بھی ہیبت زدہ ہو جائیں جو آیندہ تم سے برسرپیکار ہونے کا خیال رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اسی آیت کے متعلق خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا: الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی (مسند امام احمد) ابن عباس کہتے ہیں کہ قوت سے مراد تیراندازی، تلوار، اور ہر قسم کے آلات حرب ہیں، عکرمہ کی رائے ہے کہ ہر وہ چیز جس سے جہاد میں فائدہ اٹھایا جا سکے قوت کے معنی میں داخل ہے، خواہ وہ جدید ترین سامان حرب ہو، حصون و قلاع ہوں، اور خواہ وہ ہوائی جہاز اور آبدوز کشتیاں ہوں۔ تیراندازی کا ذکر حدیث میں بار بار اس لئے آتا ہے کہ اس زمانہ میں سب سے زیادہ یہی مفید و کارآمد چیز تھی، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ تیراندازی کو گھوڑے کی سواری پر ترجیح دیتے تھے، جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے: ارموا و ارکبوا و ان ترموا خیر من ان ترکبوا، ایک حدیث میں آتا ہے: من تعلم الرمی ثم ترکہ فلیس منا او عصی، نسائی میں ہے: من رمی بسھم

فی سبیل اللہ فھو عدل محرر، ابوداؤد نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ ایک تیر چلانے سے تین شخص جنت میں داخل ہونگے، تیر بنانے والا، چلانے والا، اور ترکش سے تیر نکال کر دینے والا: لیدخلن بالسھم الواحد ثلاثة نفرالجنة، صانعه یحتسب فی عمله الخیر، والرامی به، والممد به، آپ نے فرمایا کہ ان تین چیزوں کے سوا باقی سب کھیل حرام ہیں: تادیب الرجل فرسه، وملاعبة اھله ورمیه بقوسه ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر گھوڑا رکھا، اس کو ہر چیز کے بدلے میں ثواب ملیگا یہاں تک کہ لید اور بول کا بھی حساب ہوگا: من احتبس فرسا فی سبیل اللہ ایمانا باللہ وتصدیقا بوعدہ فان شعبه وریه، وروثه، وبوله فی میزانه یوم القیمة، عروۃ بن الجعد البارقی روایت کرتے ہیں: الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیمة الاجر والغنیمة،

جو شخص جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کریگا اس کو پورا بدلہ ملیگا، تاریخ شاہد ہے کہ قلیل ترین مدت میں عرب کس طرح تمام دنیا پر چھا گئے، یہ اسی وعدہ کا ایفا تھا، سورۂ بقرہ میں ہے: مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة، واللہ یضاعف لمن یشاء (۲ : ۲۶۱)

ابوداؤد میں ہے: ان الدرھم یضاعف ثوابه فی سبیل اللہ الی سبعمائة ضعف،

خون ریزی مقصد نہیں

(۶۱) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ، (۶۲) وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی جانب جھک جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ کرو، بیشک وہ سنتا جانتا ہے۔ اور اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو تم کو اللہ کافی ہے، اسی نے تم کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی، اور مسلمانوں کے

(۶۳) وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

دلوں میں الفت پیدا کر دی، جو کچھ زمین میں ہے اگر تم سب کا سب خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے، لیکن اللہ نے انہیں الفت ڈال دی، بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

جنگ بدر میں باوجود سامان حرب نہ ہونے کے مسلمان کامیاب تو ہو گئے مگر آیندہ کے لئے انہیں تعلیم دی گئی کہ ہر قسم کے جدید ترین آلات جنگ سے مسلح رہیں، اور ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہیں، اور یہ صرف اس غرض کے لئے ہی کہ ان تیاریوں کی وجہ سے دشمن خود بخود مرعوب ہو جائیگا، اور لڑائی کے تمام منافذ بند ہو جائینگے، ورنہ مسلمانوں کی کمزوری سے ممکن ہی کہ مخالفین کے حوصلے بڑھ جائیں، پس یہ تیاری دراصل امن و سلامتی کی بہترین تدبیر ہی نہ کہ جنگ کا پیش خیمہ، یہی وجہ ہی کہ جب مسلمان ہر طرح کے سامان حرب سے مسلح ہو گئے تو انہیں کہا گیا کہ تم خوں ریزی کے لئے نہیں آئے ہو بلکہ امن کے پیغامبر ہو، اس لئے جس وقت بھی کوئی قوم صلح کے لئے خواہش کرے تو فوراً لبیک کہو، اور صلح کرنے میں قانون الٰہی کو پیش نظر رکھو۔

اگر صلح و آشتی میں دشمنوں کا مقصد تمہیں دھوکا دینا ہی تو تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی خوف زدہ نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ تمہاری نصرت و دستگیری کے واسطے کائنات ارضی تمہارے ساتھ ہو گی، آسمان سے فرشتے نازل ہونگے، پہاڑ اور طوفان راہ صاف کرینگے، اور ارباب ایمان تمہارے لئے قربان ہونے کو تیار ہونگے، جن کے دل باہمی الفت و محبت سے لبریز ہیں، اور یہ تالیف قلوب صرف خدائے قدوس کے کرشمہائے قدرت کا نتیجہ ہی، ورنہ یہ کسی انسان کی طاقت میں نہ تھا کہ عرب جیسی جنگجو اور خون ریز قوم میں باہمی الفت قائم کر دیتا مگر قرآن نے ایسا کر دکھایا۔ جس وقت جنگ حنین کی غنیمت تقسیم ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

یامعشر الانصار! الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی، تم گمراہ تھے، میری تعلیم سے تم ہدایت یاب ہوئے، تمہاری ناداری وتہی دستی دور ہوئی، اور اختلاف و تفریق کی جگہہ اتحاد و ائتلاف نے لی انصار ہر ایک جملہ کے بعد اللہ ورسولہ عرض کرتے تھے۔ خدا نے یہ الفت پیدا کی، اور وہ عزیز و حکیم ہی، اس باہمی الفت کی وجہ سے وہ تم کو کفار کے ملکوں پر غالب کر دیگا، اور وہاں تم آسمانی بادشاہت کا جھنڈا گاڑو گے۔

(۶۴) یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○	اے نبی! تجھکو اور ان مسلمانوں کو جو تیرے پیرو ہیں اللہ بس کرتا ہی۔

چونکہ تم سب کے سب اللہ کے قانون کو بلند و برتر کرنے کی غرض سے مصروف پیکار ہوتے ہو تو تمہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ اللہ تمہارا مددگار ہی۔

تحریض علی القتال

(۶۵) یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ (۶۶) اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○	اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو، اگر تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئینگے، اور اگر تم میں سے سو ہوں تو وہ ہزار کافروں پر غالب ہونگے، اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب خدا نے تم پر تخفیف کر دی، اور معلوم کرلیا ہی کہ تم میں ضعف ہی، سو اگر تم میں سے سو صابر ہونگے تو دو سو پر غالب آئیں گے، اور جو تم میں سے ہزار ہونگے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے، اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہی۔

دشمن بہت کثرت سے ہیں، اور ہر وقت آمادۂ جنگ و پیکار، ادھر مسلمانوں کو بھی دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ ان کے مخالف کس قدر، اور کہاں کہاں آباد ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رکھیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر وقت تلوار چلاتے رہیں، بلکہ منشا یہ ہے کہ خطرہ کے مقابلہ کے لئے، ہر آن و ہر لحظہ مستعد رہیں، جو فوج چھاؤنی میں مقیم ہے وہ بھی دراصل مصروف جہاد ہی ہے کیونکہ اس کو بھی روزمرّہ قواعد و فنون حرب کی مشق کرنی پڑتی ہے۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و ہمنشینی سے تیار ہوئے ہیں ان میں سے ۲۰ مقاصد حیات پر مر مٹنے والے دو سو کافروں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہونگے، اور اگر سو ہونگے تو ایک ہزار پر غالب آجائینگے، اور ارباب ایمان کیوں نہ ان ہزاروں کافروں پر غالب و قاہر ہونگے جو عقل و دانائی سے بے بہرہ، وحدت مقصد سے ناواقف، اور اعتماد و توکل علی اللہ سے محروم ہیں، انہیں اجتماعی نشو و ارتقا سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف انفرادی ترقی کے خواہاں ہیں، اور اسلئے اپنی ذاتی خواہشات پر ملک و ملّت کے فوائد کو قربان کر دیتے ہیں، جو شخص صدہا معبودان باطل سے خوف زدہ ہو، وہ اس نفس قدسی کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے جس کے دل میں صرف ایک اللہ ہی کا خوف ہو۔

ظاہر ہے کہ رسول کریم کی صحبت سے جس درجہ کے جانباز اور فداکار سپاہی تیار ہونگے ویسے بعد کو عام طور پر نہ ہونگے، اس لئے آپ کے زمانہ حیات میں مہاجرین و انصار کے ہی شایان شان تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کرے، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ضعف و اضمحلال کو دیکھکر اس قانون میں یہ رعایت بھی کر دی کہ لازمی طور پر ایک مسلمان دو کافروں کا مقابلہ کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے قرآن حکیم کی جن پانچ آیات کو منسوخ تسلیم کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے، لیکن اس کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں، اسلئے کہ اب بھی اگر کوئی مسلمان دو سے زیادہ کفار کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو تو اس کو شریعت منع نہ کریگی۔

کتاب من اللہ

(۶۷) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ، (۶۸) لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ، (۶۹) فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

نبی کو مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی رہیں جب تک ملک میں خوب قتل نہ کریں، تم لوگ تو دنیا کی متاع چاہتے ہو، اور اللہ آخرت چاہتا ہے، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے، اگر ایک بات نہ ہوتی کہ اللہ پہلے لکھ چکا تھا تو اس مال لینے میں ضرور تم پر بڑا عذاب آپڑتا، تو جو کچھ تم نے لیا ہے حلال طیب کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لڑائی کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخالف کی قوت پاش پاش کردیجائے، اور جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوں ان کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ باقی نہ رہے، اوّل تو جنگ شروع ہی نہ ہو، اور جب ابتدا کردی جائے تو اس وقت تک آرام لینا ٹھیک نہیں جب تک دوٹوک فیصلہ نہ ہوجائے، لوگوں کا گرفتار کرلینا، اور ان کو قیدی بنانا نبی کے شایان شان نہیں، کیا یہ لوگ روپیہ کے آرزومند ہیں، اور اس طرح اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ تمہارے اخلاق محکم و استوار ہوں، دین الٰہی کو تمکین فی الارض حاصل ہو، اور ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو۔

بدر کی لڑائی میں ستر کافر گرفتار ہوکر مدینہ میں آئے ان میں حضرت عباس اور

عقیل بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ ان قیدیوں کی نسبت کیا رائے ہے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دیجئے حضرت عمرؓ کا مشورہ تھا کہ سب کو قتل کیا جائے، عبداللہ بن رواحہ کی رائے تھی کہ سب کو آگ کی نذر کیا جائے، مگر آپ نے ابوبکر کی رائے کو پسند کیا، اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔ چونکہ جنگ کے موقع پر مقتضائے مصلحت یہی ہوتا ہے کہ دشمن کی قوت پاش پاش کر دی جائے اس لئے فدیہ لیکر دشمنوں کو چھوڑ دینا مصالح جنگ کے خلاف تھا، اور پھر ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں میں پوری قوت نہیں آئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ماکان لنبی الخ میں اس طرف توجہ دلادی۔

اس فدیہ لینے میں گو عارضی مصلحت پوری ہوسکتی تھی، مگر اصلی مدعا پورا نہیں ہوتا تھا کہ دشمن میں پھر مزاحمت کی قوت ہی باقی نہ رہے، اسی لئے نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی، آگے چلکر تسلی بھی دیدی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسے اسباب فراہم کردیگا کہ تم کو اس غلطی کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچیگا، پس حاصل کلام یہ ہوا کہ آیندہ مسلمانوں کی جماعت کو ایسے معاملات میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

کتاب من اللہ سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام اس سے عام طور پر تقدیر مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے علم ازلی میں ایسا ہی مقدر ہوچکا تھا، مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ کتاب سے مراد سورۂ یوسف ہے جس کا مکہ مبارکہ میں کئی سال قبل نزول ہوچکا تھا، اس حقیقت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی آگاہ تھے کہ سورۂ یوسف میں دراصل خود ان کے اور مسلمانوں کے آیندہ حالات پیشین گوئی کے طور پر بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھذا القرآن وان کنت من قبلہ لمن الغافلین کا یہی منشا ہے، لقد کان فی یوسف واخوتہ آیات للسائلین بھی اسی کی تائید کرتی ہے، ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک، وما کنت لدیہم اذ

اجمعوا امرھم وھم یمکرون (۱۲: ۱۰۲) کا مطلب بھی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، اور قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی سے بھی اسی حقیقت کو واضح کرنا ہے:

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ یوسف کی وجہ سے یقین تھا کہ جس طرح برادران یوسف اپنے بھائی سے معافی خواہ ہوئے تھے، ایسے ہی قریش مجھ سے عفو و مغفرت کے طالب ہونگے، غزوۂ بدر میں جب رؤسائے قریش گرفتار ہو کر آئے تو آپ نے رحمۃ اللعالمین ہونے کی وجہ سے خیال کیا کہ یہ وہی وقت ہے اور اس لئے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا، لیکن در اصل ابھی اس پیشینگوئی کا مصداق حقیقی ظاہر نہ ہوا تھا، مگر آپ کے لئے استدلال کا موقعہ یقیناً حاصل تھا، یہی وجہ تھی کہ عذاب ٹل گیا، لیکن آیندہ کے لئے اس امر کو واضح کر دیا کہ ایسے دقیق استنباطات نہ کئے جائیں کیونکہ عوام الناس کے افکار و خیالات کی رسائی یہاں تک غیر ممکن ہے، کلم الناس علی قدر عقولھم کا زرین اصول کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ فتح مکہ کے روز اس سورۃ کا مصداق ظاہر ہوا، اور جس وقت برادران قریش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین۔

وعدۂ الٰہی

(۷۰) یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ	اے نبی! ان قیدیوں سے کہدو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی معلوم کریگا تو اس سے بہتر تم کو عطا فرمائیگا اور تم کو بخشیگا

مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۷۰) وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہی، اور اگر تم سے دغا کرنی چاہیں گے تو اللہ سے پہلے دغا کر چکے ہیں، تو اس نے ان کو گرفتار کرا دیا، اور اللہ جانتا ہی حکمت والا ہی۔

جو لوگ جنگ بدر میں گرفتار ہو گئے تھے جب ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو کسی نے کہا کہ مجھے لوگ زبردستی سے آئے ہیں، میرا ارادہ تو مسلمانوں سے جنگ کرنے کا نہ تھا، حضرۃ عباس نے عرض کیا: انی کنت مسلما یا رسول اللہ مگر آپ نے ان کو جواب دیا کہ اب تو بہرحال فدیہ ادا کرنا ہوگا، بعض روایات میں یہ آتا ہی کہ جب ان سے اپنا، عقیل، اور نوفل کا فدیہ طلب کیا گیا تو اُنہوں نے کہا: یا محمد تترکنی اتکفف قریشا ما بقیت کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں زندگی بھر قریش کا دست نگر بن جاؤں، آپ نے فرمایا وہ سونا کہاں ہی جو تم اپنی بیوی کے پاس رکھ آئے ہو، یہ تمام روایات ان آیتوں کے نازل ہونے کا باعث ہوئیں، اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تمہیں فدیہ تو ہر صورت میں ادا کرنا ہوگا، البتہ اگر تمہارے قلوب میں کچھ بھی خیر و برکت ہوگی تو اس وقت جس قدر مال تم سے لیا گیا ہی، اس سے بہتر تمہیں مل جائیگا۔ اور اس کے علاوہ گناہ بھی معاف ہونگے۔

بیہقی میں انس بن مالک سے روایت ہی کہ جس وقت بحرین سے مال آیا ہی تو آپ کے حکم سے اس کو مسجد میں رکھا گیا، آپ نے نماز سے فارغ ہو کر اس کو تقسیم کرنا شروع کیا تو عباس بھی آ گئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنا اور عقیل کا فدیہ دینا پڑا تھا اب کچھ نوازش کیجئے: یا رسول اللہ اعطنی فادیت نفسی وفادیت عقیلا، آپ نے فرمایا جس قدر اُٹھا سکتے ہو لے لو۔ عباس نے مال جمع کرنا شروع کیا، اور عرض کیا کہ کسی کو اعانت کے لئے فرما دیجئے، آپ نے فرمایا کہ خود ہی اُٹھا لو جس قدر اُٹھا سکتے ہو۔ آخر وہ سامان

لیکر چلے تو آپ بہت دیر تک ان کو دیکھتے رہے، جاتے ہوئے عباس کہتے جاتے تھے

کہ اما احدی اللتین وعدنا اللہ فقد انجزنا وما ندری ما یصنع فی الاخری

خدا نے ایک وعدہ تو پورا کر دیا، دیکھئے دوسرے کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا۔

سیاسی مواخات

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۳) وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ ۝

جو لوگ ایمان لائے، اور وطن چھوڑا، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے، اور جنہوں نے جگہ دی، اور مدد کی، وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی، تمہیں ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں، جب تک ہجرت نہ کریں، اور اگر تم سے دین میں مدد چاہیں تو تم پر امداد کرنی لازم ہی، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں عہد ہوا، اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہی، اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور اگر تم ایسا نہ کروگے تو ملک میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

جہاد فی سبیل اللہ کا اہم ترین مقدمہ ہجرت ہی، لغت میں اس کے معنی ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں، مگر اسلام کی اصطلاح میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسی مقصد اعلیٰ کے لئے اپنی دنیوی محبوبات و مالوفات ترک کر دے مثلاً دولت کو، آرام و راحت کو، عزیز و اقربا کے قرب کو، وطن و مکان کو، تو اس کا نام ہجرۃ الی اللہ اور ذھاب الی اللہ ہی، خدا کے ہر رسول اور ان کے پیروؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طے کرنی پڑی ہی: انی مہاجر الی ربی، اور انی ذاھب الی ربی، چونکہ

وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے ترک کرنے میں بعض اوقات اہل و عیال، مال و متاع، دوست و احباب، ہر طرح کے علاقوں کو ترک کر دینا پڑتا ہے، اور اس کی محبت و الفت کی زنجیر اور ساری زنجیروں سے بھاری ہے، اس لئے ترک وطن کی ہجرت، اعلیٰ اور جامع قسم کی ہجرت ہوئی، اور زیادہ تر مہاجرت کا اطلاق تارکین وطن پر کیا گیا۔

مگر مادہ پرست اقوام نے اس کو ذلیل کر دیا، اور روحانی کمالات سے دور جا پڑے، پھر بھی دنیاوی فضائل پورے طور پر حاصل ہو گئے۔ یہ علمی و تمدنی ترقیاں، حیرت انگیز اکتشافات، انقلاب انگیز ایجادات، دولت کی فراوانی، تجارت کی عالمگیری، نئی نئی آبادیوں کا قیام، طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور، پھر ملکوں کا عروج، قوموں کی بالادستی، اور تمدن کی وسعت اسی ہجرت کے ثمرات و نتائج ہیں۔ مگر اسلام کا نصب العین اس سے بہت بلند تر ہے اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ محض رضائے الٰہی کے لئے اپنے گھر بار چھوڑ دو۔

جب ہجرت مقدمہ جہاد ٹھیرا، تو ضروری تھا کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی جاتی، اور بتا دیا جاتا کہ بہترین مسلمان کون لوگ ہیں، اس لئے ان آیات میں ان کے مختلف اقسام بیان کئے، اور وہ یہ ہیں:

(الف) اسلام نسلی اور ملکی امتیازات سے بالاتر ایک قومیت بنانا چاہتا ہے اسلئے حکم ہے کہ جو لوگ اللہ کا قانون بلند و برتر کرنے، اور انسانوں کا انسانوں سے رشتہ کاٹ کر کے صرف اللہ سے جوڑنے کے لئے اپنے آپ کو، مال و متاع کو، اور وطن و دیار کو ترک کر کے مرکز اسلام میں آجاتے ہیں کہ ارتقائے اسلام کی صورت پیدا ہو، اور اپنی ہر عزیز چیز اس کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔

(ب) جو لوگ دار الاسلام میں رہتے ہیں وہ ان فداکاران ملت کے لئے اپنی

آنکھیں بچھا دیتے ہیں، ان کے قصور و محلات کے دروازے ان مہاجرین کے لئے ہر وقت مفتوح رہتے ہیں، اور ان کی نصرت و دست گیری میں اپنی تمام قوت صرف کر دیتے ہیں، یہ انصار ہیں۔

یہی ارباب صدق و اخلاص ہیں، اور یہی اسلام میں معزز و محترم۔ صرف ان کے لئے دنیا و آخرۃ کی فلاح و بہبود مخصوص ہے، اور انہیں کی مدح و ثنا قرآن حکیم میں بار بار آتی ہے: لقد تاب اللہ علی النبی والمھٰجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ، (۹ : ۱۱۸)

(ج) مسلمان تو ہیں مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی، ان کے متعلق دو باتیں بیان کیں:

(۱) جب تک ہجرت نہ کریں تمہیں ان کی ولایت و رفاقت سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) مگر پھر بھی کلمہ گو ہیں، اگر ان پر کوئی دشمن حملہ آور ہو، اور اس مرکزی جماعت سے وہ اعانت کے طلبگار ہوں تو اس کا فرض ہوگا کہ ان دور افتادہ مسلمانوں کی مدد کرے، شاید اب بھی یہ لوگ عقل سے کام لیکر اس مرکزی جماعت سے اپنا رشتہ قائم کر لیں، مگر اتنا یاد رہے کہ ان کفار کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کی مدد نہ کرنا جن سے تمہارا عہد و میثاق ہے، اللہ تعالےٰ تو ہر شخص کے اعمال کو باریک بین نگاہوں سے دیکھتا ہے، جب یہ ہجرت نہیں کر سکتے تو اس مرکزی جماعت کی نگاہ میں ان کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے۔

تم دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں کو مٹانے کے لئے تمام دنیا کے کفار ایک ہو جاتے ہیں، الکفر ملۃ واحدۃ، وہ کسی جگہ کے ہوں، کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، مگر اسلام

کی مخالفت میں مشترک ہونے کی وجہ سے آپس میں اتحاد قائم کر لیتے ہیں، پس مسلمانوں کا بدرجۂ اولیٰ فرض ہو کہ وہ باوجود اختلاف رنگت ونسل آپس میں متحد ہو جائیں، اور دشمنان دین کے مقابلہ میں ایک ہو جائیں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو تمام زمین فساد کا گھر بن جائیگی، اور کفار آہستہ آہستہ مسلمانوں کی قوت تباہ و برباد کر دینگے۔

رزق کریم

(۴۷) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ، (۷۵) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○	اور جو ایمان لائے، اور وطن چھوڑ آئے، اور اللہ کی راہ میں لڑے، اور جنہوں نے جگہ دی، اور مدد کی، وہی لوگ سچے مسلمان ہیں، ان کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہی، اور جو بعد میں ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم ہی میں داخل ہیں، اور اللہ کے حکم میں رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہی۔

اس اسلامی برادری کو پھر ایک مرتبہ واضح کیا جاتا ہی کہ حقیقت اصلیہ سامنے آجائے:

(الف) مہاجرین، (ب) انصار، یہی حقیقت میں مسلمان ہیں، ان کی غلطیاں بفضل خداوندی ترقی میں حارج نہ ہونگی، دنیا و آخرت میں ان کو نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ رزق ملیگا، اس جگہہ ان کو حکومت نوازش ہوگی، اور مرنے کے بعد فردوس کے وارث بنیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں ایک جدید قومیت کی بنیاد رکھی، اور مدینہ آتے ہی آپ نے مہاجرین و انصار کو بھائی بھائی بنا دیا، جس میں رنگت ونسل،

اور اسود و احمر کا کوئی فرق و امتیاز باقی نہ رہا، اور یہی قانون ہمیشہ کے لئے ہو گیا کہ جو لوگ بعد کو دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہینگے، ان مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر چل کر دارالاسلام میں جمع ہو جائینگے، اور مسلمانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے، تو وہ بھی اس مقدس جماعت میں شامل ہو جائینگے۔

یہ برادری ایسی مستحکم ہی کہ حقیقت میں اس کو رحمی اور صلبی رشتہ داروں پر بھی تفوق حاصل ہی، اور اسی سلئے مہاجرین و انصار ابتدائے اسلام میں ایک دوسرے کے وارث بنے تھے، مگر چونکہ ایک دوسری مصلحت کے مطابق اکثر اوقات قانون تکوین کو ترجیح دی جاتی ہی اس لئے مہاجرین کے وسیع ہونے پر اس مواخات کو صرف روحانی حلقہ میں محدود کر دیا۔ اور وراثت کی تقسیم کا قانون جدا گانہ بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہی، وہ ہر ایک ضرورت کے لئے الگ الگ قانون نوازش کرتا ہی، چنانچہ وراثت کے احکام سورۂ نساء میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

البراءة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

سورۃ البراۃ

(رکوع، ۱۶-آیات، ۱۲۹)

سورۃ کا نام

کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بار بار عہد و پیمان کرتے، ہر مرتبہ توڑ ڈالتے، اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے سے دریغ نہ کرتے، ارباب ایمان ان تمام حالات و واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے، اور خاموش رہتے کہ انہیں حکم دیا گیا تھا: فاعفوا واصفحوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ، (۲ : ۱۰۹) سو تم معاف کرو، اور درگذر کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے، آخر جب ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، اور اس میں ایک قطرہ کی بھی گنجائش باقی نہ رہی تو انہیں تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی: اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا، وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر، (۲۲ : ۳۹) ان لوگوں کو جہاد کرنے کی اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اسلئے

کہ اسی کی تیز دھار نے عاجز و درماندہ بندوں کو قوی و طاقتور بنایا ہے، اور اسی کی خون آشامی نے ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا ہے: وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس، (۵۷ : ۲۵) اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں شدید ہیبت ہے، اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے ہیں، پس جب نقض عہود کی حد ہو گئی، اور اس جرم کا ہمیشہ ارتکاب ہونے لگا تو انجام کار اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور تمام کفار کو اعلان جنگ دیکر بتا دیا کہ آج کی تاریخ سے اسلام ان کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہیں کریگا، اور خدائے قدوس ان جراثیم کفر سے اپنے مخصوص بندوں کو بالکل ممتاز کر دے گا۔

چونکہ اس سورۃ میں کفار کے ہر قسم کے عہدناموں اور پابندیوں سے علیحدگی کا اظہار کیا گیا ہے، اسلئے اس کا نام براءۃ تجویز ہوا، یہ نام اگرچہ بہت زیادہ مشہور ہے مگر اسی درجہ کی شہرت توبہ کے نام کو بھی ہے، بلکہ عوام الناس تو اسے سورۂ توبہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس میں نہ صرف ان تین صحابہ کی توبہ کے قبول ہونے کا تذکرہ ہے جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے عام طور سے تمام مہاجرین و انصار، اور اُن کے صحیح متبعین پر بھی باربار اپنی رحمت کے نازل ہونے کا ذکر کیا جس کا مفصل تذکرہ اس سورۃ کے آخر میں آئیگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کو سورۃ العذاب کہتے تھے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عباس اسے سورۃ الفاضحہ کہا کرتے تھے، عبداللہ بن عمر کے نزدیک اس کا نام المقشقشہ تھا، علاوہ ازیں المنقرہ، البحوث، الحافرہ، المثیرہ، المخزیہ، المنکلہ، المشردۃ، اور المدمدمہ بھی صاحب اتقان نے بیان کئے ہیں، مگر زبان زد خاص و عام براءۃ اور توبہ ہی ہیں۔

ترتیب نزول

تمام سورۃ پڑھنے کے بعد ہر شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس کا نزول سب سے

آخر میں ہوا ہے، بخاری میں برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آخر سورۃ نزلت براۃ، سب سے آخر میں توبہ ہی کا نزول ہوا، ظاہر ہے کہ اس کا مقام نزول مدینۃ النبی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی، اسی پر جمہور مفسرین کا اتفاق ہے، اور یہی ابن عباس، ابن الزبیر، اور قتادہ کی رائے ہے، ترتیب آیات و واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ تمام وکمال ۹ھ ہجری میں نازل ہوئی ہے، ہاں اتنا ضرور ماننا پڑیگا کہ اس کی ابتدائی آیات اس سال کے آخر میں نازل ہوئی ہونگی، کیونکہ یہی وہ آیات تھیں جن کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مشرکین عرب کے سامنے حج کے روز تلاوت کیا تھا تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اب اسلام ان سے کوئی جدید عہد نہیں کریگا، آیات نمبر ۹۱ سے آخر سورہ تک غالباً غزوۂ تبوک سے فوراً قبل، یا بعد، اور عجیب نہیں عین دوران جنگ میں نازل ہوئی ہوں، ظاہر ہے کہ جنگ تبوک بھی ہجرت کے نویں ہی سال وقوع میں آئی تھی۔

بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اس سورۃ کی آخری دو آیتیں مکی ہیں، لیکن اول تو بخاری کی روایت اس خیال کی تکذیب کرتی ہے، دوسرے ممکن ہے کہ ان لوگوں کا یہ مطلب ہو کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کی خاطر مکہ تشریف لیگئے ہیں، اس وقت ان آیات کا نزول ہوا ہو، بہرحال قول فیصل یہی ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔

ماقبل سے تعلق

انفال و توبہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا تذکرہ ہے، سورۂ انفال کے آخر میں فرمایا تھا: الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ، والذین اٰووا ونصروا اولئک بعضھم اولیاء بعض، (۸: ۷۲) یہی وہ لوگ تھے جن کی نسبت کہا گیا تھا: اولئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم، (۸: ۷۴) پس جب مسلمانوں میں مذہبی اتحاد، اور سیاسی یگانگت قائم ہوگئی تو فوراً بعد سورۂ توبہ میں مخالفین اسلام کو اعلان جنگ دیا گیا: براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین

عاھدتم من المشرکین، پہلی سورۃ میں عہود کی پابندی اور صلح کا تذکرہ تھا: وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ، اب چونکہ کفار نے بار بار اپنے عہدناموں کو توڑ ڈالا اور ہمیشہ مسلمانوں کو تکلیف دی، اس لئے توبہ میں ان پابندیوں سے مسلمانوں کو آزاد کر دیا گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا گیا کہ ان دونوں سورتوں کو ملانے اور ان کے درمیان بسم اللہ نہ لکھنے کا کیا سبب ہے تو انہوں نے فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یاتی علیہ الزمان وھو تنزل علیہ السور ذوات العدد، فکان اذا نزل علیہ شئی دعا بعض من یکتب فیقول ضعوا ھذہ الایۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا، وکانت الانفال من اول ما نزل بالمدینۃ وکانت براءۃ من اٰخر ما نزل من القراٰن، وکانت قصتھا شبیھۃ بقصتھا وخشیت انھا منھا، وقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یبین لنا انھا منھا، فمن اجل ذالک قرنت بینھما، ولم اکتب بینھما سطر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ووضعتھما فی السبع الطوال۔

رسول علیہ السلام پر ایک ہی وقت میں مختلف سورتیں نازل ہوتیں تو آپ کسی کاتب کو بلا کر فرما دیتے کہ ان آیات کو فلاں فلاں سورتوں میں لکھدو، مدینہ میں سب سے پہلے انفال، اور آخر میں براءۃ نازل ہوئی، پھر دونوں کے قصے ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے، مجھے خیال ہوا کہ توبہ بھی اس کا ایک حصہ ہے، ادھر اس پر بغیر کسی قسم کی روشنی ڈالے رسول اللہ کی وفات ہوگئی، اس لئے میں نے ان دونوں کو ملا تو دیا، مگر بنظر احتیاط درمیان میں بسم اللہ نہ لکھی۔

غالباً اسی بنا پر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو ایک ہی سورۃ فرمایا کرتے تھے: انھا مع الانفال سورۃ واحدۃ۔

ترک بسم اللہ

اگرچہ امام شافعی علیہ الرحمۃ اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سورہٗ فاتحہ کی ایک آیت ہے، مگر جمہور علماء اور تمام احناف اس طرف گئے ہیں کہ یہ قرآن حکیم کی ایک آیت تو ہے، مگر کسی سورۃ کا جز نہیں، اور تمام سورتوں کی ابتدا میں تیمناً و تبرکاً درج کی گئی ہے، تاکہ ہر سورۃ دوسری سے ممتاز نظر آئے، مگر برخلاف اس کے سورہٗ توبہ کے شروع میں اس کو تحریر نہیں کیا گیا، اس کا اصلی سبب تو وہی ہے جس کو ہم ابھی ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں، اور وہ ایسی روایت ہے جس کو نہ صرف ترمذی نے بیان کیا ہے، بلکہ امام احمد، ابوداؤد، اور نسائی نے بھی نقل کیا ہے، بعض لوگوں نے ترک بسم اللہ کے بعض دوسرے اسباب بھی بیان کئے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان البسملۃ امان وبراءۃ نزلت بالسیف، بسم اللہ تو امن کا پیغام ہے، اور سورہٗ توبہ میں جہاد کا تذکرہ ہے، اسی قسم کا خیال محمد بن الحنفیہ اور سفیان بن عینیہ نے بھی ظاہر کیا ہے، مبرد کہتا ہے کہ اہل عرب کا دستور تھا کہ جس وقت وہ عہد نامہ توڑنے کی اطلاع اپنے دشمن کو دیتے تو بسم اللہ ترک کر دیتے، سورہٗ براۃ میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جدید عہد ناموں سے روک دیا گیا، اس لئے بسم اللہ بھی درج نہ کی گئی۔

موضوع سورۃ

دنیا میں ہر چیز کا قیام اس کے مرکز کے ساتھ وابستہ ہے، ہر دریا کے لئے ضروری ہے کہ اس کا تعلق ایک محفوظ چشمہ کے ساتھ ہو، فضائے آسمانی میں بے شمار ستارے روشن دکھائی دیتے ہیں مگر ان سب کو روشنی اور حرارت سورج ہی سے ملتی ہے، درخت کی ٹہنیوں کو دیکھو کس قدر ہیں، مگر یہ سب کی سب اپنی تر و تازگی کے لئے اس کی جڑوں کی دست نگر ہیں، ہر تعلیم کے لئے لازمی ہے کہ اس کی ایک درس گاہ ہو، ٹھیک اسی طرح ہر قوم کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی ارضی مرکز ہو: اللہ الذی

رفع السموٰت بغیر عمد ترونہا ثم استوٰی علی العرش وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی (۱۳ : ۲) یہ سنت اللہ ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا، اسی قانون کے مطابق اسلام نے اُمت کے بقا اور حق کے قیام کے لئے ہر طرح کے مرکز قرار دیے تھے، پس ضرور تھا کہ ایک ارضی مرکز بھی قیامت تک کے لئے قرار دیدیا جاتا۔

سرزمین عرب میں مذہبی حکومت کی باگ قریش کے ہاتھ میں تھی، اور یہ بھی صرف اس لئے کہ وہ بیت اللہ کے مجاور اور خادم تھے، باقی تمام امور کے فیصلہ کے لئے ہر قبیلہ کا اپنا اپنا سردار ہوتا تھا، مگر کبھی کبھی یہ قبائل اپنے جھگڑے قریش کے پاس بھی لیجایا کرتے، لیکن یہ لوگ مجبور نہ تھے کہ ان کے فیصلہ کو ضرور ہی تسلیم کریں، کیونکہ قریش اپنے اثر کو اپنی لامذہبیت کی وجہ سے کھو چکے تھے، قبائل عرب اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو نہایت ہی دوربین نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، اُنہوں نے جب دیکھا کہ فتح مکّہ ہوتے ہی کفار قریش کی طاقت بالکل تباہ ہو گئی ہے تو ان میں حرکت پیدا ہوئی، اور جوق جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے: ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا، اور تم دیکھو کہ لوگ جوق جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

مرکزی حکومت کا مسلمانوں کے ہاتھ میں آنے کا یہ مطلب تھا کہ اب عرب کے اطراف میں کلمۃ اللہ بلند ہو گیا ہے، قانون الٰہی کی حکومت ہے، اور قرآن اس کا دستور العمل ہے، جو شخص اس کتاب عزیز کے آگے سر تسلیم خم نہ کریگا، وہ حکومت کے نزدیک باغی قرار دیا جائیگا، ملک میں نظم ونسق صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ رائج الوقت قانون کے آگے تمام رعایا کی گردنیں جھک جائیں، اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ باغی ہے، اور سرزمین عرب میں رہنے کا اسے کوئی حق حاصل نہیں، ایسے آدمی کو شریعت کی اصطلاح میں کافر کہا گیا ہے، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ دنیا کا گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ

اس صداقت کے آگے خمیدہ گردن ہے، ہندوستان میں انگریزی حکومت ہے، رعایا مکمل آزادی کے لئے کوشاں ہے، مگر برطانیہ کے نیک دل معصوم فرشتے اس کو بھی بغاوت سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس سے رائج الوقت قانون کی توہین ہوتی ہے۔ شاہ پسندی اور سرمایہ داری کے اُصول نے دنیا کو تباہ کر دیا ہے، بولشویک اُٹھتے ہیں کہ ان اصول کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں، مگر یورپ کے اقتدار پسند اور مہاجن اس کوشش کو انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں، پس اسلام دنیا میں آیا کہ توحید کا اعلان کرے، اور بت پرستی کی حکومت کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دے: وقاتلوھم حتے لاتکن فتنۃ ویکون الدین للہ، رحمۃ للعلمین نے فرمایا: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالٰہ الا اللہ۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں تا آنکہ وہ کلمۂ توحید کو مان لیں۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس کی دعوت دنیا کی بین المللی دعوت ہے، وہ کسی خاص ملک اور قوم میں محدود نہیں، مسلمانوں کی قومیت کے اجزا تمام کرۂ ارضی میں پھیل جانے والے تھے، پس ضروری ہوا کہ ان بکھرے ہوئے اجزا کے لئے ایک ایسا مقام مخصوص کر دیا جاتا جس سے اس کی دائمی متحدہ قومیت قائم رہتی، جو ان تمام متفرق اجزا کے لئے مرکزی نقطہ ہوتا، وہی جگہ تمام اُمت کی تعلیم کے لئے ایک مرکزی درس گاہ ہوتی، اور وہی تمام کرۂ ارضی کی پھیلی ہوئی کثرت کے لئے نقطۂ وحدت ہوتا، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی ارضی وسعت کے لئے عبادت کدۂ ابراہیمی کو کعبۃ اللہ، حجاز کو اس کی سرزمین، اور جزیرۂ عرب کو اس کا دائمی مرکز بنایا، یہی اسلام کا سب سے پہلا سرچشمہ تھا، یہی ناف زمین ہے، اور دنیا کی آخری اور دائمی ہدایت کے لئے مرکزی سرچشمہ اور روحانی درس گاہ بھی اسی جگہ ہے: جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیما للناس، (۵: ۹۷) اور واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا،

(۲ : ۱۲۵) اور ومن دخله کان امنا (۳ : ۹۶) اور وحیث ماکنتم فولوا وجوھکم شطرہ، (۲ : ۱۵۰) اور واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق، (۲۲ : ۲۷) اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، تمہارے پاس پیادے اور سوار ہو کر دبلی اونٹنیوں پر چلے آئینگے جو وہ ہر دور و دراز راستہ سے آئیں گی۔ سب اسی حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

اب چونکہ مشرکین کے ساتھ دینی اتحاد قائم کرنا اصول اخلاق کے لئے جن پر اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے خودکشی کے مرادف ہوتا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کسی رعایت کے کفار سے جزیرۃ العرب کو ہمیشہ کے لئے پاک و صاف رکھنے کے نہایت ہی صاف احکام نافذ کئے، اور اپنی حیات طیبہ میں اسکے ایک حصہ کو ان جراثیم کفر سے پاک کر کے تمام مسلمانوں کو بتا دیا کہ بقیہ اجزا کی وہ تکمیل کریں، اور تمام ملک کو ان سے محفوظ کر دیں۔ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا سے یہی مراد ہے، جس کا اعلان حضرت علی نے ایام حج میں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے بار بار فرمایا: اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب، (بخاری) امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے: آخر ما عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قال لا یترک بجزیرۃ العرب دینان، موطا میں ہے: لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب، مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے: لاخرجن الیھود والنصارٰی من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلما، امام احمد نے ابوعبیدہ بن الجراح سے روایت کیا ہے: آخر ما تکلم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرجوا الیھود اھل الحجاز واھل نجران من جزیرۃ العرب۔

کتاب و سنت کی یہ تصریحات تمہارے سامنے ہیں، جو اس حقیقت کا بانگ دہل

اعلان کررہی ہیں کہ اسلام نے عرب کو صرف اسلامی آبادی ہی کے لئے مخصوص کر دیا ہے، نہ تو وہاں کسی غیر مسلم کو آباد ہونے کی اجازت ہے، اور نہ غیر مسلم کی حکومت، اور اس کی حاکمانہ نگرانی و بالادستی جائز ہوسکتی ہے، اور یہی اس سورت کا موضوع اصلی ہے۔ سورۂ انفال کی تعلیم سے جب مسلمان قانون جنگ کے ماہر ہوگئے تو اب اس سورہ میں سب سے پہلے عرب کو، اور بعد ازاں تمام مخالفین کو اعلان جنگ دیا گیا کہ اگر وہ اسلام کے بقا میں مزاحم ہوئے تو جس طرح سرزمین عرب میں حق کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی، اور باطل کا کامل طور سے استیصال کیا گیا، اسی طرح ہر جگہ اہل کفر کی سرکوبی کر دی جائیگی: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔

خلاصۂ مضامین

اس سورۃ کو حسب ذیل ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

باب اوّل اعلان جنگ، اس میں ان امور پر روشنی ڈالی گئی ہے:

ابتدائے سورہ میں مشرکین کو اعلان جنگ دیا گیا، اس قطع تعلق کے بعد دوسری آیت میں ان کو چار ماہ غور کے لئے دیے گئے، اس تقاطع کا اعلان حج اکبر کے دن کیا گیا کیونکہ اطراف عرب کے نمائندے شرکت کی غرض سے وہاں آئے ہوئے تھے، اور ان کی معرفت تمام قبائل کو اطلاع ہوسکتی تھی، آیت نمبر ۷ سے ان اسباب کو بیان کیا جو اس قطع تعلق کا باعث بنے، جب مخالفین اسلام کو اعلان جنگ دیا گیا تو آیت نمبر ۱۶ سے فرزندان اسلام کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آمادہ کیا گیا کہ ان کی حیات قومی کا راز اسی حقیقت میں پنہاں ہے، جنگ شروع ہونے سے قبل اکثر مختلف قسم کی معذوریاں بیان کرکے اپنے آپ کو جنگ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آیت نمبر ۱۷ سے ان حیلوں کا ذکر کرکے ہر ایک کو غلط ٹھیرایا، اور بتا دیا کہ ان میں سے ایک بات

بھی قابل توجہ نہیں۔

شبہات تو زائل ہو گئے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن لوگوں کے ساتھ جنگ کی جائے، اس لئے آیت نمبر ۲۹ میں اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا، دشمنان دین برابر اس کوشش میں رہیں گے کہ مسلمانوں کو مٹا دیں، اس لئے خود ان کو بھی اپنے مخالفین کے مقابلہ میں ہمہ تن مستعد جنگ رہنا چاہیے" اور اس سلسلہ کے ختم ہونے کی کوئی صورت نہیں، اس لئے آیت نمبر ۳۶ میں بتایا کہ سپاہیوں کو سال بھر میں چار ماہ کی رخصت دی جائیگی کہ آرام کر سکیں، اور گھر کا نظم و نسق کرنے کے قابل ہوں، دشمن نے سب طرف سے مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے، اور تمام دنیا کے لوگ ان کی مخالفت پر آمادہ ہیں اس لئے آیت نمبر ۳۸ میں فرمایا کہ تمام مسلمان بلا استثنا، تیار ہوں، اور کوئی شخص بھی کسی قسم کا عذر پیش کرکے پیچھے رہنے کی کوشش نہ کرے، اور پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ آیت نمبر ۴۱ میں بتایا کہ جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہیں، نہیں معلوم دشمن کب اور کس وقت حملہ کر دے، جب حالت یہ ہے کہ ہر شخص تمہارا دشمن ہے، اور باوجود اس کے تم اپنے اغراض کی وجہ سے تیاری نہیں کرتے، اور جہاد سے مستثنیٰ رہنے کی فکر میں ہو تو یاد رہے اس جرم کی پاداش میں تم گرفتار مصائب ہوگے، آیت نمبر ۴۲ میں اسی مضمون پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم، ارباب نفاق، اس میں منافقین کے حسب ذیل اقسام بیان کئے گئے ہیں:

جنگ شروع ہو گئی، دشمن سے مقابلہ ہے، ارباب نفاق مختلف قسم کے عذر پیش کرکے جہاد سے بچنا چاہتے ہیں، اس لئے یہاں سے ان کا دونوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جو دوران جنگ میں پیدا ہوتی ہیں، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کامیابی کا پورا یقین ہو، اور مدت بھی زیادہ نہ صرف ہو تو شریک ہونے کو تیار ہیں، اس جنگ میں یہ دونوں باتیں نہیں، اس لئے شرکت ہی بے سود ہے۔ آیت نمبر ۴۲ سے ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے

آیت نمبر ۴۵ سے اس جماعت کا بیان ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے، اور پھر وہ اسی بات پر قناعت نہیں کرتی بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھتی ہے، اور جب مسلمانوں کی جماعت حق کی دعوت کے لئے جاتی ہے تو یہ بھی اپنے جاسوس روانہ کر دیتی ہے تاکہ وہ ان کی غلطیوں اور کمزوریوں کی یادداشت تیار کریں، اور واپسی پر ان کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف ہو جائیں بعض منافقین یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم نے جہاد میں شرکت کی تو ہمارے مذہبی کاموں میں خلل واقع ہوگا، اور تھوڑی بہت نیکی سے بھی محروم رہیں گے اس لئے جنگ سے الگ رہنا بہتر ہے، مگر ان کا یہ کہنا بھی سراسر نفاق پر مبنی ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی تکلیفوں اور مصیبتوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں، اور ان کی کامیابی انہیں ناگوار گزرتی ہے، آیت نمبر ۹۴ سے ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، آیت نمبر ۵۰ سے ان لوگوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں جو روپیہ ملنے پر فوراً شرکت جنگ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور جہاں تھوڑی سی تاخیر ہوئی آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتے، بعض لوگوں کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنے امیر کے ہر کام پر نکتہ چینی کرتے ہیں تاکہ رکاوٹ پیدا ہو، ان کی تنبیہ کے لئے گزشتہ اقوام کے واقعات بیان کئے گئے، آیت نمبر ۱۶ سے ان کے حالات پر روشنی ڈالی۔ بعض ارباب نفاق یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس روپیہ ہو تو ضرور ہی قومی کاموں میں صرف کریں، مگر جب ان کی یہ آرزو پوری ہو جاتی ہے تو نہ صرف بخل کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان مسلمانوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے معمولی رقمیں چندہ میں دیتے ہیں، ان لوگوں کا تذکرہ آیت نمبر ۷۶ سے شروع ہوتا ہے۔

باب سوم۔ السابقون الاولون۔

یہاں تک ان لوگوں کا تذکرہ تھا جو پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں، ان سب کو قرآن حکیم نے منافقین کے نام سے تعبیر کیا ہے، اب آیت نمبر ۸۲ سے بتایا جاتا ہے کہ جہاد

سے پیچھے رہنے کا نتیجہ کیا ہوگا، اس تہدید کے بعد ان کے حالات میں کس قسم کا تغیر رونما ہوگا، یہ بیان آیت نمبر ۴۸ سے شروع ہوتا ہے، پہلے اہل مدینہ کا تذکرہ ہے، جنہوں نے ابتدا میں مدد دینے سے انکار کیا، پھر بتایا کہ ایک ہی مرتبہ جنگ سے پیچھے رہنے کی وجہ سے آیندہ ان پر اعتماد نہ کیا جائیگا، بعدازاں اعراب کی حالت بیان کی کہ وہ بھی مختلف بہانے بنا کر اپنے آپ کو معذور قرار دیتے ہیں، حالانکہ ایسے حالات کا پیدا کر لینا جو جہاد کے لئے رکاوٹ بن جائیں خود ایک قسم کا نفاق ہے، اس سلسلہ میں مختلف لوگوں کا تذکرہ کیا، آیت نمبر ۱۰۰ سے مسلمانوں کے مختلف طبقات کا بیان کیا، کچھ تو ان میں السابقون الاولون ہیں، بعض وہ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے، ہر قسم کے اعمال کا ارتکاب کیا، مگر باوجود غلط کاری میں مبتلا ہونے کے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو نیک نیتی سے غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ان سب جماعتوں کے نتائج اعمال پر بحث کی، آیت نمبر ۱۰۸ سے نمبر ۱۱۱ تک اس جماعت کی خصوصیات بیان کیں جو مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی کوشش میں رہتی ہے، آیت نمبر ۱۱۲ میں بتایا کہ سرفروشان اسلام کو بہترین نعمتیں ملینگی، اور چونکہ جنگ ہمیشہ نہیں رہتی اس لئے آیت نمبر ۱۱۴ سے ان کی ممتاز خصوصیات بیان کیں کہ ہر شخص انہیں دیکھتے ہی شناخت کر سکے، پھر جب وہ ہمہ تن مسلم ہیں، اور خدا کے ہاتھ میں بک گئے ہیں تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے عزیز ترین کا فرشتہ دار پر رحم نہیں کر سکتے، اس کے لئے حضرت ابراہیم کا اسوۂ حسنہ پیش کیا، آیت نمبر ۱۱۸ سے ان اصحاب ثلثہ کا بیان شروع کیا جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے مورد عتاب ہوئے تھے، اور فوراً بعد ان صحابہ کرام کا تذکرہ کیا جو اس سخت تکلیف میں بھی جان نثاری سے باز نہ آئے، آیت نمبر ۱۲۱ میں بتایا کہ مرکزی جماعت کو تو ایک لمحہ کے لئے بھی جہاد سے پیچھے نہ رہنا چاہیئے اسلئے کہ ان کے لئے انعام و اکرام بھی بے شمار ہیں، آیت نمبر ۱۲۳ میں شخصی و اجتماعی فرایض کی تقسیم کی، آیت نمبر ۱۲۴

میں فرمایا کہ دنیا میں جہاد فی سبیل اللہ کے اہم فرض کی اشاعت کن تدابیر سے ممکن ہے، اور آخر میں بتایا کہ اگر امت مسلمہ میں سے ایک متنفس بھی اس فریضۂ ملی کے ادا کرنے کو تیار نہ ہوگا تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ عرش عظیم کا مالک، اور زمین و آسمان کا شہنشاہ اعظم خود اس قانون کو بلند و برتر کرنے کے لئے اپنے دوسرے بندوں کو چن لیگا، اور اسی پر سورۃ البراۃ ختم ہو جاتی ہے۔

باب ۱

فصل اوّل

اعلان جنگ

انذار حرب

مشرکین عرب نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کرنے شروع کردیے، ان میں سے بعض عہد ناموں میں تو مدّت معین کیجاتی تھی، مگر بعض میں اس تحدید کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ جب اور جس وقت فریقین میں سے کسی کو ضرورت ہوتی فوراً اعلان جنگ کردیتا، عہد نامے سبھی کچھ تھے، لیکن کفار کبھی ان کے پابند نہ ہوتے، اور اپنی بدعہدی سے مسلمانوں کو ہمیشہ تکلیف میں رکھتے، صلحنامہ حدیبیہ کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں، ۹ھ ہجری میں جب آپ غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو بہت سے قبائل نے اپنے عہد ناموں کو توڑ ڈالا، اور منافقین نے بھی بے بنیاد خبروں کے اڑانے میں کمی نہ کی، پھر خود ان کے عقائد اور اقوال و اعمال ہی اس قسم کے تھے کہ ان لوگوں سے کسی قسم کا سمجھوتہ ممکن ہی نہ تھا، اسلئے ارشاد ہوا:

(۱) بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کو صاف جواب ہے جن سے تم نے عہد کیا۔

مسلمانوں نے آج تک اپنے عہد کی پابندی کی تھی، اس لئے کہ ان کی شریعت نے ان کو اسی قسم کی تعلیم دی تھی: واوفوا بالعهد، ان العهد كان مسئولا، (۱۷ : ۳۴) ایفائے عہد ہی پر ان کو جنت کا وعدہ دیا گیا تھا: الذين يوفون بعهد الله ولا ينقضون الميثاق، (۱۳ : ۲۰) مگر کفار نقض عہد کرکے ان کو ہر موقع پر تکلیف میں ڈالتے: الذين عاهدت منهم ثم ينقضون في كل مرة وهم لا يتقون، (۸ : ۵۶) باوجود اس کے پھر بھی فرزندان اسلام کو وحی الٰہی کی جانب سے یہی تعلیم دی جاتی کہ وہ صرف امن و سلامتی کے لئے بھیجے گئے ہیں، اگر کفار صلح کے لئے ہاتھ بڑھائیں تو انہیں فوراً لبیک کہنا چاہئے: وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله، (۸ : ۶۱) مگر جب ان کی بدعہدی کی انتہا ہو گئی، اور مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو خدائے قدوس نے اعلان کر دیا کہ اب جبکہ اطراف عرب میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی ہے، اور قرآن کو قانون سلطنت تسلیم کر لیا گیا ہے، اللہ اور اس کا رسول ہر اس شخص کو اعلان جنگ دیتا ہے جس کی گردن اس قانون کے آگے نہ جھکی ہو، آج کی تاریخ سے مسلمانوں کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کفار نے مسلمانوں کے ساتھ بعض ایسے عہد نامے کئے تھے جن میں مدت کی تعیین نہ تھی، بلکہ ہر فریق کو ہر وقت توڑنے کا اختیار تھا، اس آیت نے صرف انہی عہد ناموں سے بحث کی ہے، آگے چل کر معلوم ہوگا کہ باقی تمام عہد ناموں کے لئے لسان الٰہی نے یہ رعایت ملحوظ رکھی کہ ان سب کی چار ماہ مدت قرار دیدی، اس میں وہ عہد نامے بھی آگئے جن کا زمانہ چار ماہ سے کم تھا، رہے وہ جن میں مدت کا تذکرہ تھا، اور زمانہ بھی چار ماہ سے زائد، ان کی نسبت خود قرآن نے کہدیا: فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم

(۹ : ۴) میں محمد بن اسحٰق، مجاہد، اور دوسرے لوگوں کا قول ہے، اور اسی کو حافظ ابن کثیر نے ترجیح دی ہے،

غور کی مہلت

قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک قوم دوسری سلطنت کو اعلان جنگ دیتی ہے تو اس کو کچھ نہ کچھ وقت غور و فکر کے لئے بھی دیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں وہ اپنے تمام حالات دیکھکر فیصلہ کر لے کہ اسے جنگ کرنی ہے، یا صلح کے لئے ہاتھ بڑھانا ہے، اللہ تعالےٰ نے جب کفار کو اعلان جنگ دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا :

(۲) فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝	تو اے مشرکو! زمین میں چار ماہ چل پھر لو، اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

دنیاوی حکومتوں کا دستور یہ ہے کہ اعلان جنگ کے بعد دشمنوں کو غور کا موقع بہت کم دیتی ہیں، اس لئے کہ ان کا مقصد جمع مال کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، مگر اسلام سراسر رحمت ہے، اور وہ امن و سلامتی عالم کے قیام کے لئے بھیجا گیا ہے، اس لئے ارضی حکومتوں کے خلاف اس نے اپنے مخالفین کو چار ماہ کامل غور کی مہلت دی، اس درمیان میں وہ تمام عرب میں باطمینان رہ سکتے ہیں، اپنے اور دشمنوں کے حالات کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اپنے مستقبل کے متعلق خوب دلجمعی سے فیصلہ کر سکتے ہیں، اگر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوں تو انہیں لبیک کہا جائیگا، لیکن اس مدت کے ختم ہوتے ہی عرب کی ایک انچ زمین بھی ان کو پناہ نہ دے سکیگی۔

مخالفین کو اس امر میں غور کرنا چاہیے کہ جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، ان کے پاس ساز و سامان نہ تھا، عرب کا ایک ایک باشندہ ان کا دشمن تھا، ہر طرف سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے، یہودی ایک طرف ان کی جان کے لیوا تھے، دوسری جانب نصاریٰ ان کو خوفزدہ

کر رہے تھے، مجوسی بھی کسی سے کم نہ تھے، جب ان حالات میں مسلمان زندہ رہے تو اب اس وقت تم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہو، جبکہ تمام عرب پر ان کا قبضہ ہے، ہر طرف ان کی حکومت ہے، اس وقت کفار یقین کرلیں کہ وہ مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آسکیں گے، بلکہ جو شخص قرآن سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت کریگا، وہ خود ذلیل ہوگا۔

اربعۃ اشہر کے متعلق زہری کی رائے ہے کہ اس سے شوال، ذی قعد، ذی الحج، اور محرم مراد ہیں، مگر اکثر ارباب تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ مدت ذی الحجہ سے شروع ہوکر ربیع الاول پر ختم ہوتی ہے، چنانچہ ابن جریر نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور یہی سدی اور قتادہ کی رائے ہے، ظاہر ہے کہ جب ان آیات کا اعلان ایام حج میں ہوتا ہے تو اس سے شوال اور ذیقعد کس طرح مراد ہو سکتے ہیں۔

الحج الاکبر

(۳) وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اور حج اکبر کے دن لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اطلاع ہے کہ اللہ اور اس کا رسول بھی مشرکوں سے بیزار ہے، تو اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دو۔

عوام الناس کا خیال ہے کہ حج جس سال جمعہ کے روز ہو اس کو حج اکبر کہتے ہیں، اور اگر باقی ایام میں ہو تو وہ اصغر ہے، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے، حج کسی روز ہو اسکو اکبر ہی کہا جائیگا، البتہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ہوتا ہے، حج اکبر کا اطلاق یوم عرفہ پر ہوتا ہے کیونکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا حقیقی اجتماع اُسی روز ہوتا ہے، یہی عمرؓ، ابن عباس، سعید بن المسیب، ابن الزبیرؓ عطاء، طاؤس، اور مجاہد کی رائے ہے، مسور بن مخرمہ نے روایت کیا ہے: خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشیۃ عرفۃ فقال اما بعد فان ھذا یوم الحج الاکبر، شب عرفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اور فرمایا، یہ یوم الحج الاکبر ہے، جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ حج کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا: الحج عرفہ، فقہاء کے نزدیک اس شخص کا حج نہیں ہوتا جو تمام ارکان حج تو ادا کرلے اور میدان عرفات میں نہ جائے، اس لئے یہی قول قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے کہ حج اکبر سے مراد یوم عرفہ ہے۔

حج کے عظیم ترین مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع ہو کر خدائے قدوس کی عبادت کے ساتھ ساتھ مسلمانان عالم کی فلاح و بہبود کی تجاویز پر غور کریں، اور مشورہ کرکے ان کے لئے ایک پروگرام (لائحہ عمل) تیار کریں، مشرکین ان ایام حج میں وہاں جمع ہوا کرتے تھے، چونکہ تمام عرب کے نمایندوں کا اجتماع اُسی روز ہوا کرتا تھا، اور اس روز کسی چیز کا اعلان کر دینا اس امر کے مرادف ہوتا تھا کہ تمام عرب میں اس کی تشہیر ہوگئی، اِس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر و علی رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا کہ ایام تشریق میں اس اعلان جنگ کی اِطلاع سب کو کردیں، اس روز جن باتوں کا اعلان کیا گیا، ان کو ترمذیؒ، ابن ابی حاتمؒ، حاکمؒ، حافظ ابو بکر بن مردویہ، اور بیہقیؒ نے دلائل میں نقل کیا ہے: فنادی ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ، فسیحوا فی الارض

اربعة اشهر، ولا یحجن بعد العام مشرك، ولا یطوف بالبیت عریان، ولا یدخل الجنة الا مومن، فاذا اعیا علی قام ابوبکر ینادی بھا۔

(۱) آج کی تاریخ سے جو شخص قرآن کو اپنا قانون نہ مانیگا، اس کو باغی تصور کیا جائیگا، اور وہ واجب القتل ہوگا: ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ، (۹ : ۳) فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم، (۹ : ۵)

(۲) مشرکین کو حج بیت اللہ کی اجازت نہ ہوگی: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا، (۹ : ۲۸) ولا یحجن بعد العام مشرك،

(۳) مشرکین ننگے بدن طواف کعبہ کیا کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ آلودۂ عصیان کپڑوں کے ساتھ طواف کرنا جائز نہیں، مگر شریعت اسلام نے اس غلط خیال کو رد کرکے فرمایا: ولا یطوفن بالبیت عریان،

(۴) قرآن کو نہ ماننے والے جنت میں داخل ہونے کے مستحق نہیں: ولا یدخل الجنة الا مومن۔

(۵) جن کفار نے اب تک نقض عہد کا ارتکاب نہیں کیا ان کا عہدنامہ قائم رہیگا، : ان یتم الی کل ذی عھد عھدہ،

جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان امور کا اعلان کردیا تو کفار نے کہا: یا علی: ابلغ ابن عمك انا قد نبذنا العھد وراء ظھورنا، وانه لیس بیننا وبینه عھد الا طعن بالرماح وضرب بالسیوف، اے علی اپنے بھائی سے کہدو کہ ہمارے نزدیک ان عہود کی کوئی عزت نہیں، اب صرف نیزوں کی انی اور تلوار کی دھار ہی انصاف کرے گی،

طرفین سے اعلان جنگ کے بعد اگرچہ مصالحت کی کوئی صورت ممکن نہ تھی، مگر پھر بھی اللہ تعالی نے لسان نبوت سے ایک مفید امن وامان استثنا کرادیا کہ اگر اب بھی کفار باز

آجائیں تو ان پر وہی رحمتیں اور برکتیں نازل ہو سکتی ہیں، ورنہ وہ یاد رکھیں کہ عاقبت کار فتح و کامرانی صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہے، کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی، اور ان حزب اللہ ھم المفلحون، اور ان جندنا لھم الغالبون، اور والعاقبۃ للمتقین، اسی سنت اللہ کو واضح کرتی ہیں، ان کید الشیطٰن کان ضعیفا، اور ان کید الکفرین فی ضلال، اور ان حزب الشیطٰن ھم الخٰسرون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ارباب کفر ہمیشہ ناکام رہیں گے، اور ان کو ذلت کی زندگی بسر کرنی پڑے گی، ان الباطل کان زھوقا،

پابندی عہد

(۴) اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝	مگر ان مشرکوں سے ان کے عہد ان کی مدت تک پورے کرو جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا، پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہو، بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو امن و سلامتی کا پیغام اپنے ساتھ لایا ہے، اس نے تلوار کے سایہ میں اس وقت پناہ لی، جب اسے بے انتہا مجبور و مضطر کیا گیا: اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا، وان اللہ علی نصرھم لقدیر ۝ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ، (۲۲ : ۳۹ و ۴۰) مگر عین اس وقت بھی جبکہ دوسرے لوگ انتہائی غضب اور غصہ کی حالت میں ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں، اسلام نے جادۂ اعتدال سے انحراف نہیں کیا، اگرچہ اصول مروت و اخلاق کی پابندی ہر شخص کے لئے عموماً اور انبیاء و رسل کے لئے خصوصاً ضروری ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک مصلح اپنے بے گناہ اتباع کو قتل ہوتا دیکھا کرے، اور باوجود انتقام کی طاقت کے مخالفین سے باز پرس نہ کرے، اس لئے قرآن حکیم نے ایسے مواقع میں وہی حکم دیا

جو سلامت فطرت کا تقاضا ہے،

حدیبیہ کے میدان میں کافروں اور مسلمانوں میں جو صلحنامہ مرتب ہوا تھا اس کی ایک شرط یہ بھی تھی: ان یضعوا الحرب عشر سنین یامن فیھا الناس، دس سال تک جنگ نہ ہو تاکہ لوگ مامون ہو جائیں، اس عہدنامہ میں بنو بکر قریش کے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے، مگر بالآخر بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے آلات حرب سے ان کی مدد کی، اس پر بنو خزاعہ نے بھی دربار رسالت سے امداد کی درخواست کی، عمرو بن سالم الخزاعی نے پُردرد نظم میں تمام واقعات گوش گزار کئے، جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

لاھم انی ناشد محمدا — حلف ابینا وابیہ الاتلدا!

کچھ غم نہیں، میں محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے۔

فانصر رسول اللہ نصرا اعتدا — وادع عباد اللہ یاتوا مددا!

اے پیغمبر خدا! ہماری اعانت کر، اور خدا کے بندوں کو بلا، سب اعانت کے لئے حاضر ہونگے۔

ان قریشا اخلفوک الموعدا — ونقضوا میثاقک الموکدا!

قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی، انہوں نے اس مضبوط معاہدے کو جو آپ سے کیا تھا توڑ ڈالا۔

وجعلوا لی فی کداء رصدا — وزعموا ان لست ادعوا احدا!

ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کو کوئی نہیں آنے کا۔

وھم اذل واقل عددا — ھم بیتونا بالوتیر ھجدا!

وہ تو ذلیل ہیں، اور قلیل ہیں، انہوں نے وتیر میں ہمیں سوتے ہوئے جا لیا۔

فقتلونا رکعا وسجدا!

ہم کو رکوع اور سجود کی حالت میں پارہ پارہ کر دیا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ہجری میں حملہ کر کے مکہ فتح کر لیا۔

یہ حالات تھے جن کی بنا پر اعلان جنگ کیا گیا مگر پھر بھی جو قبائل اپنے عہد پر قائم رہے، شریعت نے ان کے حسن اخلاق کو فراموش نہیں کیا، بلکہ ان کی نسبت حکم دیا کہ ان کا عہدنامہ قائم رہیگا، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عرب میں صرف بنو ضمرہ اور بنو مدلج ہی ایسے قبیلے تھے جو نقض عہد کے مرتکب نہیں ہوئے، اور نو ماہ تک ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رہے جو ان کے عہد کی انتہائی مدت تھی، اسی پابندی عہد کو قرآن حکیم نے اس جگہ تقویٰ سے تعبیر کیا ہے، جب فرمایا: ان اللہ یحب المتقین۔

قتل عام

(۵) فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر جب پناہ کے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو، اور ان کو پکڑو، اور گھیرو، اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں، اور نماز قائم رکھیں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا رستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر یہ مہلت گذر جائے، اور پھر بھی یہ مشرک عرب کی حدود میں قیام پذیر رہیں جو مسلمانان عالم کا ارضی مرکز ہے تو مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اپنے مرکز کو ہر قسم کے دشمنوں سے پاک رکھنے کی کوشش کریں، چاہے اس کوشش میں ان کفار کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اور جنہوں نے نقض عہد ہی اپنا شعار بنا لیا ہو، ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ ان کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جائے، اگر انہیں ایسی سخت سزا نہ دی گئی تو دوسرے لوگوں کو بھی ان ناشایستہ حرکات کی جرأت ہوگی، اور قانون الٰہی کی کوئی عزت نہ رہیگی، انہیں گرفتار کرنے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیے کہ اسی صورت میں نظام صلح قائم رہ سکیگا۔

لیکن جب وہ قرآن کو اپنا قانون تسلیم کرلیں، اور یہ صرف زبانی اقرار نہ ہو کیونکہ

انسان بسا اوقات سزا سے بچنے کے لئے ایسا کرلیتا ہے بلکہ عملاً اس کا اظہار ضروری ہوگا" اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ نماز و زکوٰۃ کے پابند بن جائیں، اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو گویا انہوں نے اسلام کے ابتدائی قانون کو مان لیا، اب اس کے بعد ان سے کسی قسم کا تعرض نہ ہوگا۔ امام احمد نے اپنی مسند میں انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے:

امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ، وان محمدا رسول اللہ، فاذا شھدوا ان لا الہ الا اللہ، وان محمدا رسول اللہ، واستقبلوا قبلتنا، واکلوا ذبیحتنا، وصلوا صلوتنا، فقد حرمت علینا دماءھم واموالھم الا بحقھا لھم ما للمسلمین وعلیھم ما علیھم۔

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ توحید و رسالت کی خاطر لوگوں سے جنگ کروں، پھر جب وہ توحید اور میری رسالت کو تسلیم کرلیں، ہمارے قبلہ کی جانب رخ کرکے نماز پڑھیں، ہمارا ذبح کیا ہوا کھائیں، تو قانونی جرائم کے سوا ان کا خون اور ان کا مال ہمارے لئے حرام ہوگا، اور وہ سود و زیاں میں مسلمانوں کے شریک ہونگے۔

خود قرآن میں دوسری جگہ آتا ہے: فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین، (۹: ۱۱)

اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے استدلال کرکے زکوٰۃ نہ دینے والوں پر جہاد کرنے کا فیصلہ کیا تھا، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں: ابی اللہ ان یقبل الصلوٰۃ الا بالزکوٰۃ، اللہ تعالےٰ زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا، عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں: امرتم باقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ومن لم یزکّ فلا صلوٰۃ لہ، تمہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے، اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز کس کام کی۔

درس قرآن

(۶) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیدو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اس کو اس کی امن کی جگہہ پہنچا دو، یہ اس لئے کہ وہ نہیں جانتے۔

اگر مشرکین میں سے کوئی شخص جاہل ہے، یعنی اسے اب تک مسلمانوں سے ملنے جلنے کا پورا موقع نہیں ملا، اور نہ وہ اچھی طرح قرآن سن سکا ہے، تو چونکہ اس کتاب عزیز کا اہم و اعظم مقصد ہدایت انسانی ہے، اور نفوس بشریہ کا مہذب بنانا اس کے پیش نظر ہے، اس لئے حکم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو قرآن حکیم کی تبلیغ کی جائے، اور پھر اسکو ایسی جگہہ پہنچا دیا جائے جو اسکے زاویہ نگاہ سے امن اور سلامتی کی جگہہ ہو، اس تھوڑی سی صحبت و ہم نشینی سے اسے قرآن میں درس و فکر کا موقع مل جائیگا، اور اس پر یہ بات واضح ہو جائیگی کہ اسلام جن باتوں پر زور دیتا ہے وہ ہر ہر فرد انسانی کے لئے نہایت ہی مفید اور سود مند ہیں، اسطرح پر کیا عجب ہے کہ داعیۂ فطرت اس کو حق کی جانب رہنمائی کرے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جب کبھی مخالفین اسلام کو قرآن حکیم کے احکام اور فرزندان اسلام کے حالات میں غور کرنے کا موقع ملا تو انکی گردنیں تسلیم کے طور پر جھک گئیں، اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، خالد بن الولید جنگ احد میں کفار کے کمان دار ہیں کہ مسلمانوں کو فنا کر دیں، پھر وہی خالد ہیں جو اپنے ہاتھ سے لات و عزیٰ کے مندروں کو گراتے، اور دربار رسالت سے سیف اللہ کا خطاب پاتے ہیں، سہیل بن عمرو قریش کے سفیر صلح ہیں، ان کو رسول اللہ سے اتنی عداوت ہے کہ جب صلحنامہ میں اپنے اسم مبارک کے ساتھ آپ رسول اللہ لکھتے ہیں تو وہ نہایت ہی برافروختہ ہوتے ہیں، پھر وہی سہیل ہیں جو خود بخود مدینہ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں۔

وجہ مخاصمت

گزشتہ رکوع سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ قرآن کے آگے خمیدہ گردن نہونگے، اور اس کو اپنا دستور العمل نہ بنائیں گے وہ باغی ہیں، ظاہر ہے کہ کسی حکومت کی حدود میں باغیوں کا وجود اس سلطنت کی تباہی کا موجب ہوگا، اور اس لئے کوئی دانشمند سلطنت اس امر کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی حدود میں مفسد اور فتنہ پرداز لوگ باقی رہیں، اس لئے قرآن حکیم نے ان باغیوں کو گزشتہ رکوع میں اعلان جنگ دیدیا، اس کے بعد ان کے لئے صرف دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں، اسلام قبول کریں، ورنہ اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل جائیں، اب بتایا جاتا ہے کہ ان کو اعلان جنگ دینے کے کونسے اسباب تھے، قاعدہ ہے کہ اعلان جنگ دیتے وقت تک ان اسباب کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو اس جھگڑے کا باعث ہوئے ہیں،

(۷) كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ج فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ٥

مشرکوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کس طرح رہ سکتا ہے، مگر ہاں جن سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا ہے، تو جبتک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھے رہو، بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

فتح مکہ کے روز عرب کی سرزمین میں ایک انقلاب عظیم ہو گیا، حکومت کے بدل جانے سے ہر چیز میں تغیر آجاتا ہے، کفار جب اپنے گردوپیش دیکھیں گے کہ اس وقت زمام سلطنت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کو ہم کل تک ذلیل خیال کرتے تھے تو ان کی رگ حمیت میں جوش آجائیگا، اور اس جنون و وارفتگی میں عجب نہیں مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیں، انہیں خیال ہوگا کہ شاید اس مجنونانہ حرکت سے کھوئی ہوئی طاقت مل جائے، یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس سفاکی کے ارتکاب کے وقت وہ کسی قانون کے پابند نہ ہونگے، اور یہ تو بارہا تجربہ

ہوچکا ہے کہ انہوں نے عہد ناموں کو توڑا۔ اور مسلمانوں کو تکلیفیں دیں، اسلئے ایسے باغیوں سے تعلقات رکھنا ایک لمحہ کے لئے بھی جائز نہیں، اور نہ اللہ ورسول کے نزدیک ان کے عہد ناموں کی کوئی عزت ہے۔ البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو اپنے عہد پر قائم رہے، اور وہ صرف بنو ضمرہ اور بنو مدلج ہی تھے۔

مزید تشریح

(۸) كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ (۹) اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۰) لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝

صلح کیوں کر رہے، ان کی حالت تو یہ ہے کہ اگر تم پر غالب آجائیں تو نہ تو تمہاری قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا، تم کو اپنی زبانی باتوں سے رضامند کر رہے ہیں، اور ان کے دل نہیں مانتے، اور ان میں اکثر فاسق ہیں، انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑا سا مول لیا، پھر اللہ کے راستہ سے روکا، بری حرکتیں ہیں جو وہ کر رہے ہیں کسی مسلمان کے بارہ میں نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں، اور نہ عہد کا، اور وہی لوگ زیادتی پر ہیں

دنیا میں صرف شرک ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے تمام محاسن اخلاق کو برباد کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ابتداءً صرف شرک ہی کو سب سے بڑا سبب قرار دیا جسکی بنا پر مخالفین قابل اعتماد نہ رہے، اب ان آیات میں بتایا جاتا ہے کہ اس شرک کی وجہ سے ان میں اور کونسی بدعملیاں رونما ہوتی ہیں، اگر وہ مسلمانوں پر غالب آجائیں تو پھر کسی قرابت اور عہد و پیمان کا لحاظ نہیں کرتے: ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء و یبسطوا الیکم ایدیہم والسنتہم بالسوء، (۶۰ : ۲) اگر کافر تم کو پائیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں، اور تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ چلائیں۔ اپنے دلفریب الفاظ اور ولولہ انگیز تقریروں سے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے دل ویسے ہی حسد

سے بھرے ہوئے ہیں، وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ جس طرح بن پڑے ان کو تباہ کر دیں، یا انہیں اپنا غلام بنالیں، خود کسی مذہب کے پابند نہیں، اور ان کی زندگی فسق و فجور کا نمونہ ہوتی ہے، اس میں دراصل یہ حقیقت واضح کر دی کہ ان کے عقائد کی بنیاد حق پر نہیں، اور انسان کے اندر اخلاق فاضلہ صرف قانون الٰہی کی پابندی سے پیدا ہو سکتے ہیں، اور اسلئے بدعہدی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جب لامذہبیت ان میں اثر کر گئی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیاوی فوائد کی خاطر دین کو بیچ ڈالتے ہیں، اللہ کی آیات کو پردہ بنا کر بد اخلاقی پھیلاتے ہیں، اور اس طرح لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

(۱۱) فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○	پس اگر وہ توبہ کریں، اور نماز قائم رکھیں، اور زکوٰۃ دیتے رہیں، تو تمہارے دینی بھائی ہیں، اور جاننے والوں کے لیے ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں۔

اگر وہ ابتدائی مدارج کو تسلیم کر لیں تو پھر ہمیں ان سے کوئی پرخاش نہیں، اہل علم اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ شرک و بت پرستی کے دلدادہ، اور یہودیت و عیسویت کے شیدائی ان کے کبھی دوست نہیں بن سکتے، پس وہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی دوستی پر اعتماد نہ کریں۔

بہترین علاج

(۱۲) وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○	اور اگر عہد کیے پیچھے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں، اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو، بلاشبہ ان کی قسمیں کچھ بھی نہیں شاید وہ باز آجائیں۔

اگر باوجود عہد کرنے کے پھر بھی یہ لوگ باز نہ آئیں، اپنی بات کی کچھ بھی وقعت نہ کریں، ہر جگہ اسلام پر آوازے کسیں، مسلمانوں کو مورد طعن و تشنیع بنائیں، اور اس امر کا اعلان کریں

کہ جب تک اسلام کے نام لیوا برباد نہ ہونگے کرۂ ارضی امن سے معمور نہ ہوگی، تو ایسے لوگوں کا بہترین علاج یہی ہے کہ ان کے روسا روامرا، اور صاحبان سیاست کو بالکلیہ نیست ونابود کردیا جائے، اس لئے کہ قوم کی ترقی کا دارومدار، اور فتح وشکست کا انحصار انہیں لیڈروں کے وجود پر ہوتا ہے، تمام اعمال قومی کے یہی ذمہ دار ہوتے ہیں، جس وقت یہ قتل کئے گئے قوم خود بخود ان ناشائستہ حرکات سے باز آجائیگی، اور چاروں طرف امن وسلامتی نظر آنے لگیگی، مگر یہ بہترین دل ودماغ نہایت ہی محفوظ ہوتے ہیں، اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دشمن کی زد میں نہ آجائیں، اس لئے ان فراعنہ وقت کو مارنے کے لئے قتل عام کی ضرورت ہوگی کہ سرچشمۂ کفر فنا ہو، لڑائی کا مقصد بھی دراصل یہی ہوتا ہے کہ مخالف قوت کے اعضا ر و ارکان فنا ہوجائیں جو فساد کے اصلی بانی ہیں۔

(۱۳) اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

تم کیوں نہ ایسے لوگوں سے لڑو، جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ہی تم سے پہلے چھیڑ شروع کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو، پس اگر تم مسلمان ہو تو اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے ڈرو،

(۱۴) قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۵) وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

تم ان سے لڑو تاکہ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے، اور ان کو رسوا کرے، اور تم کو ان پر فتح دے، اور مسلمان لوگوں کے دل ٹھنڈے کرے، اور انکے دل کی جلن نکالے، اور جسے چاہیگا اللہ توبہ کی توفیق دیگا، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اور زیادہ جوش دلایا جاتا ہے کہ تم ان کفار سے کیوں نہیں جنگ کرتے جنہوں نے اپنے عہدناموں کی پروا نہ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مبارکہ

سے نکالنے کی کوشش کی، ایک جگہ آتا ہے : وَاِذْ یَمْکُرُبِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْیَقْتُلُوْكَ اَوْیُخْرِجُوْكَ (۸ : ۳۰) سورہ ممتحنہ میں فرمایا : یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوا باللہ ربکم، (۶۰ : ۱) ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا : وان کادوا لیستفزونك من الارض لیخرجوك منہا، (۱۷ : ۷۶) اور یہ بغض و عداوت صرف آپ ہی کی ذات۔ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اب بھی ان مخالفین کی سعی و کوشش یہی ہے کہ آپ کے جانشینوں اور نام لیووں کو مرکز اسلام سے نکال دیں، اور خود اس پر قابض ہو جائیں، پھر ابتدا بھی انہی لوگوں کی طرف سے ہوئی ہے، صلحنامہ حدیبیہ کو جس طرح بنو بکر نے توڑا اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

تم ان لوگوں سے کیوں نہیں جنگ کرتے، کیا ان سے ڈرتے ہو، تمہیں تو صرف ایک اللہ ہی سے ڈرنا چاہیئے اسی کے قانون کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا خیال تمہیں ہر وقت دامن گیر رہے، تم جنگ کے لئے آگے بڑھو تو حسب ذیل فوائد حاصل ہونگے :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انبیا ء علیہم السلام کے متبعین کی تعداد کم ہوتی تھی اس لئے اس وقت تک امتوں کو عذاب دینے کا قانون یہ تھا کہ آفات ارضی و سماوی سے ان کو ہلاک کر دیا جاتا، مگر جب ایمان داروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو پھر خود ان کے ہاتھوں مخالفین کو ذلیل کیا جانے لگا، اب خود مسلمان ہی اللہ کا دست عمل بن کر حق و صدق کی نشر و اشاعت کرینگے، اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم، کے مطابق ذلیل ہونگے۔

جب ان لوگوں کا قتل ضروری قرار پا گیا ہے تو بہتر ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے ہاتھ سے سرانجام پائے، کیونکہ انہیں بے انتہا مظالم کا شکار ہونا پڑا ہے، انسان کا فطری تقاضا ہے کہ مظلوم ہونے کے بعد جب تک وہ ظالم سے انتقام نہ لے چکے اس کو سرور نہیں حاصل ہوتا، اس کی ہمت پست ہو جاتی ہے، اس کے قوائے عملیہ بیکار ہو جاتے ہیں، اس لئے

اب اگر مسلمان اپنے ہاتھ سے کفار کو قتل کرینگے تو ان کی طبیعت میں مسرت پیدا ہوگی، اور آمادۂ کار ہوجائیں گے : واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون، اور قانون عدل کے مطابق اس سرور کا بدلہ ہوگا جو ابتدا میں ظالموں کو حاصل ہوا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کفار میں سے قابل اصلاح افراد یقیناً حق کے تابع بن کر اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائیں گے۔

فصل دوم
آمادگی جہاد

مقصد انتخاب ہے

(۱۶) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝	کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم چھوٹ جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے ان لوگوں کو متمیز نہیں کیا جو تم میں سے جہاد کرتے ہیں، اور اللہ اور اسکے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو ولی دوست نہیں بناتے، اور جو تم کرتے ہو اللہ کو سب کی خبر ہے۔

تمام دنیا مسلمانوں کی دشمن ہے، ہر ایک اجنبی حکومت ان کو فنا کرنے کی فکر میں ہے، اور کوئی غیر مسلم سلطنت ان کی طرف دست اعانت دراز کرتی ہے تو وہ مکر و فریب اور دجل و شیطنت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اِس لئے ضروری ہے کہ ان دشمنوں سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو آمادۂ جہاد کیا جائے، اور وہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ان کی زندگی کا راز سربستہ اسی جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے، اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے ترک کردینگے تو چاروں طرف سے دشمن ان پر حملہ آور ہونگے، اور انہیں

تباہ کر دینگے، اس لئے فرمایا کہ جب تک تم میں سے مجاہدین کو ممتاز نہ کیا جائیگا تمہیں خاموش بیٹھنے نہ دیا جائیگا، ایک جگہہ فرمایا: احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون" (۲۹: ۱) ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا: ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم، مستھم الباساء والضراء وزلزلوا (۲: ۲۱۴) ایک جگہہ اس طرح آتا ہے: ماکان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب" (۳: ۱۷۸) اور اس جہاد سے مقصود قتل و خونریزی نہیں، بلکہ غرض یہ ہے:

(الف) اس نبی کی تعلیم سے تمہارے اخلاق کس درجہ مہذب و شائستہ ہوئے، اور ہر ایک مسلمان نے فرداً فرداً آپ کی ذات اقدس سے کس قدر فائدہ اٹھایا، اسکو واضح کر دیا جائے۔

(ب) اس وقت اور آیندہ زمانہ کے لوگوں کو دکھا دیا جائے کہ اس امت میں اور گزشتہ امتوں میں اتباع انبیاء کے اعتبار سے کتنا فرق ہے، بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کو یہ جواب دیا تھا: اذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔

(ج) آیندہ چلکر تمہیں حکومت دیجائیگی، پس جب تک نبی کی نگرانی میں اس اہم ترین خدمت کے لئے تیار نہ ہو، کام نہیں چل سکیگا۔ گویا مسلمان ہونا اس بات کی دلیل ہی کہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑیگا، تمہیں معلوم ہے جس وقت نبوت کے تیرہویں سال مدینہ کے ۷۲ مرد اور دو عورتیں اس لئے مکہ مبارکہ حاضر ہوئیں کہ رسول اللہ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں تو حضرت عباس نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوے تھے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا، لوگو! تم جانتے ہو کہ قریش ان کے جانی دشمن ہیں، اگر تم ان سے عہد کرتے ہو تو یہ سمجھ لینا کہ یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے، محمد سے عہد باندھنا سرخ و سیاہ لڑائیوں کو مول لینا ہے: لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا!

رفع اعذار و موانع

جب چاروں طرف سے دشمن مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں تو ضروری ہے کہ ہر ایک فرزند اسلام جہاد کے لئے ہر وقت آمادہ رہے، اس موقع پر بعض کمزور طبیعتیں مختلف قسم کے حیلے بہانے کرکے اس فکر میں رہتی ہیں کہ ان کو جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ کردیا جائے، آگے چل کر بتایا جائیگا کہ جنگ کے لئے تیاری نہ کرنا، اور ایسے اسباب فراہم کرنا جن کی بنا پر جنگ میں شریک نہ ہوسکیں، نفاق ہے، پس آج ہر مسلمان اپنے حالات کا اندازہ لگاکر خود ہی اس امر کا فیصلہ کرلے کہ وہ کہاں تک نفاق میں مبتلا ہے، آیندہ آیات میں ان عذروں اور رکاوٹوں کو بیان کیا جاتا ہے جو جنگ شروع ہونے کے وقت عام طور پر پیدا کی جاتی ہیں، ہر ایک عذر لنگ کی حقیقت مستورہ کو بے نقاب کرکے بتایا جائیگا کہ یہ سب باتیں غلط اور مہمل ہیں، اور ہر ایک مسلمان کو جہاد کی تیاری کرنی پڑیگی:

مذہبی تقدس

(۱۷) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (۱۸) اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝

مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جائیں، یہی لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت گئے، اور یہی لوگ آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، بس اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا، اور نماز قائم کرتا رہا، اور زکوٰۃ دیتا رہا، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا، بس توقع ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوویں۔

مسلمانوں کی مسجدیں صرف عبادت گاہیں ہی نہیں بلکہ تعلیم گاہیں اور دار الحکومت بھی ہیں، جامع مسجد کی حیثیت ٹاؤن ہال کی ہے، ان مسجدوں کو صرف وہی شخص آباد کرسکتا

ہی جو عالم ہو، اور قرآن حکیم کے مطالب سے بخوبی واقف ہو، اور جو لوگ اس قرآن ہی سے نا آشنا ہیں، انہیں کیا حق ہے کہ اللہ کی مسجدوں میں قدم رکھیں، اگر ایک شخص قرآن سنتا ہو اور اس کی گردن اس کے آگے نہیں جھکتی تو وہ اپنے آپ کو تعلیم یافتہ کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کی مسجدوں کا اکرام، اور ان کی نگہداشت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان باللہ وبالیوم الآخر ہو، اور وہ اسلام کے ابتدائی حکموں کا بھی پابند ہو تو اسکے دل میں صرف ایک اللہ ہی کا خوف ہوگا، اور دوسرے کی چاہت اس میں جگہہ نہ پائیگی:

سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے!

ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ، (۳۳: ۴) اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ کفر و شرک کے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں ان کی تمام تر زندگی باطل پرستارانہ سعی وکوشش کی مجسم تصویر ہوتی ہے، وہ اگر بعض اعمال صالحہ کر پابند ہوں، فرشتے بن کر لوگوں کے سامنے آئیں، اور اپنی معصومیت سے عوام الناس کو فریفتہ کر کے انہیں یہ بتا دیں کہ ہم تمہارے مقدس مقامات کا احترام کریں گے، تمہارے حقوق کی نگہداشت کرینگے، تمہارے مذہبی و سیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے، اور تمہیں ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش عمل میں لائینگے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان جھوٹے وعدوں پر ہرگز اعتماد نہ کریں اور ان کی باتوں میں آکر جنگ سے باز نہ رہیں، کیونکہ یہ اعلان صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ فرزندان اسلام ان کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں، اور جہاد نہ شروع کر دیں، ان لوگوں کے وعدوں پر اعتماد کرنا خود اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے، وہ ان وعدوں کے کبھی پابند نہ ہونگے، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

احب الاعمال الی اللہ

گزشتہ آیات میں ابتدائی تعلیم پر زور دیا گیا تھا، اب ایک شخص اسی کو اپنی زندگی کا انتہائی مقصد بنالیتا ہے، اور کہتا ہے کہ نماز پڑھنا، اور دوسرے لوگوں کو چند اعمال کا پابند کرنا ہی حقیقت اسلام ہے، ان ہی باتوں کو وہ اعلیٰ تعلیم خیال کرتا ہے، اور ان کی وجہ سے اپنے آپ کو حقیقی جہاد فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ کرنا چاہتا ہے، مگر حسب ذیل آیات حقیقت کو یوں بے نقاب کرتی ہیں:

(۱۹) اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص جیسا ٹھیرالیا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا، اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت کے شان نزول میں ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ عثمان بن طلحہ، عباس، اور علی رضی اللہ عنہم میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی، جس میں ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے پر ترجیح دیتا تھا، عثمان نے کہا، میں بیت اللہ کا کلید بردار ہوں، اور اگر چاہوں تو اس میں سو بھی سکتا ہوں، حضرت عباس نے جواب دیا: انا صاحب السقایۃ والقائم علیھا ولو اشاء بت فی المسجد، میرے ذمہ حاجیوں کو پانی پلانا اور اس کی نگرانی ہے، میں بھی مسجد الحرام میں سونے کا مجاز ہوں، اس پر حضرت علی نے کہا کہ میں ان باتوں کو تو نہیں جانتا البتہ یہ ضرور ہے کہ میں اب تک جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہا ہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسباب نزول میں ایک اور روایت بھی ہے جسکو مسلم نے اپنی صحیح میں، اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں نعمان بن بشیر انصاری سے نقل کیا ہے، نعمان کہتے ہیں کہ میں چند صحابہ کے ساتھ منبر نبوی کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ تین آدمیوں نے آپس میں یہ گفتگو شروع کی، ایک

نے کہا: ما ابالی ان لا اعمل لله عملا بعد الاسلام الا ان اسقی الحاج، قبول اسلام کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے کے سوا اور کسی نیکی کی ضرورت نہیں، دوسرے نے کہا، بلکہ مسجد حرام کی آبادی ضروری ہے، تیسرے نے جواب دیا: بل الجہاد فی سبیل اللہ خیر مما قلتم، سب سے بہتر جہاد فی سبیل اللہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ مسجد نبوی کا احترام ضروری ہے، نماز سے فارغ ہو کر ہم دربار رسالت میں جا کر اس سوال کو پیش کر دینگے، چنانچہ جمعہ کے بعد یہ لوگ گئے، اور اس تمام گفتگو کو جناب رسالت سے عرض کیا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان دونوں روایات نے درحقیقت اس آیت کی تفسیر کر دی کہ جبکہ عالم اسلام پر مصیبتوں اور تکلیفوں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا رہا ہو، دشمنان دین وملت نے مسلمانوں کو برباد کرنے کے لئے اپنی مجتمعہ قوت سے کام لیا ہو، تمام مقدس مقامات اور مرکز خلافت پر غیروں کا قبضہ ہو، سرزمین عرب پر غیر مسلموں کی نگرانی و بالا دستی ہو، لاکھوں کروڑوں مسلمان ان کفار کے ظلم سے تنگ آ کر راتوں کو اٹھ اٹھ کر مضطربانہ دعائیں مانگتے ہوں جن کی آہ نیم شبی کنگرۂ عرش کو بھی ہلا دیتی ہو، جبکہ اسلام اپنے ہر فرزند سے اس امر کا طالب ہو کہ وہ اپنا فرض ادا کرے، اور اپنا آخری قطرۂ خون اسلام وخلافت کے بچانے کے لئے صرف کر دے، اور جامعہ اسلامیہ کی حفاظت کے لئے سر بکف کوشش کرے، اس وقت ارباب عمائم و علمائے سو رکا مدارس میں بیٹھکر کتاب وسنت کے محض الفاظ کو دہراتے رہنا، چند ابتدائی مسائل پر اپنی تمام قوت صرف کر دینا، خانقاہوں میں بیٹھکر صرف زبانی اللہ اللہ کے نعرے لگانا، اپنی بعض قوتوں کو مہذب کرکے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسانا، اور دن رات تسخیر قلوب کے اوراد ووظائف ہی میں منہمک رہنا اصل مذہب اور اساس ملت خیال کرتے ہیں، ان سے یہ کیونکر توقع ہو سکتی ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے غوامض واسرار اور حقائق ومعارف تک رسائی حاصل کرکے پورے مسلمان بن سکیں گے،

ان کی تمام تر ذہانت و فطانت تو اپنے آپ کو اس حقیقت اسلامیہ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش میں صرف ہوتی ہے، مگر وہ یاد رکھیں کہ قرآن حکیم کا نازل کرنے والا ایسے انسانوں کو ظالموں کے گروہ میں داخل کرتا ہے، اور اس کے نزدیک ان لوگوں کی پرپشہ کے برابر بھی عزت و توقیر نہیں، قرآن نے دوسری جگہ اسی کو احب الاعمال الی اللہ قرار دیا، اور فرمایا:

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص، (۴:۶۱)

نماز و روزہ تو در اصل شریعت اسلامیہ کا ایک رکن ہے، اور جب تک انسان تمام احکام الٰہیہ کا پابند نہ ہو وہ کبھی سچا مسلمان نہیں بن سکتا، سورۂ بقرہ نے بتایا: لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب، (۲: ۱۷۷) سورۂ نساء نے اس پر اور زیادہ روشنی ڈالی جہاں اس نے قصر رکعات اور قصر جماعت پر بحث کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے قصر اوقات بھی ثابت کردیا جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ میں بیان کر آئے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک طالب علم ابھی ابھی سکول میں داخل ہوا ہے، اور دوسرا کالج کی انتہائی تعلیم بھی حاصل کر چکا ہے، جس طرح یہ دونوں اپنے فرائض و اعمال حیات کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح یقین کرلو کہ مساجد الٰہی کی تعمیر اور مجاہد فی سبیل اللہ میں برابری کی کوئی نسبت ہی نہیں، اور جو یہ خیال کرے کہ دونوں برابر ہیں تو قرآن حکیم ان کو ظالم کے نام سے یاد کرتا ہے اس لئے کہ قوموں کی حیات و ممات کے راز سے وہ واقف نہیں، اگر تمہیں خیال ہو کہ احادیث میں افضل الاعمال نماز کو کہا گیا ہے تو وہ بھی اپنے درجہ میں ٹھیک ہے، یعنی انفرادی حیثیت میں وہی بہترین عمل ہے مگر جب قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہوگا تو اس وقت اعلیٰ ترین عمل یہی جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا جائیگا۔

فائز المرام

(۲۰) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ	جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے، وہ

وَاَنْفُسِہِمْ لا اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۲۱) يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ (۲۲) خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

اللہ کے نزدیک درجہ میں بڑھ کر ہیں، اور یہی مراد پانے والے ہیں، ان کا رب ان کو اپنی رحمت، اور رضامندی، اور ان باغوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آرام ہے، ان ہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

حدیث میں آتا ہے: انا امرکم بخمس، اللہ امرنی بھن، الجماعۃ، والسمع والطاعۃ، والھجرۃ، والجھاد فی سبیل اللہ، میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسا ہی ارشاد ہوا ہے، لزوم جماعت، احکام کا سننا، اطاعت امیر، ترک وطن، اور جہاد فی سبیل اللہ، گویا منشا یہ تھا کہ جو لوگ اس رکن کے پورے پابند ہو چکے ہیں اب ان کے فرائض بڑھ جائیں گے، جب وہ ابتدائی جبری تعلیم کو خوب اچھی طرح ادا کر رہے ہیں تو اب ان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے نام پر جان دینے کو تیار رہوں، اگر نماز پر زور دیا گیا تھا تو اس سے مراد یہ تھی کہ اسلام کی تعلیم اس جگہ سے شروع ہوتی ہے، یہ مطلب نہ تھا کہ یہی اعلیٰ تعلیم ہے۔ پس کامیاب وہی رہیں گے جو اس اعلیٰ تعلیم کی جانب قدم بڑھائینگے، اور اپنی زندگی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کر دینگے، صرف اسی کے اختیار کرنے سے انسان کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں: ان السیف محاء للخطایا (احمد) اور جنت کے ابواب بھی اسی تلوار کے سایہ میں ہیں: ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف (مسلم) پھر کون ہے جو اس جنت کا خریدار رہے۔

دنیاوی ضروریات

(۲۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں عزیز رکھیں، اور جو تم میں سے ان کی رفاقت کریگا تو وہی لوگ گنہگار ہیں، کہدو

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۴) قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝	کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بی بیاں، اور تمہاری برادری، اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور سوداگری جسکے مندا پڑ جانے کا خوف کرتے ہو، اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ماں باپ کی محبت، عزیز و اقربا کی نگہداشت، مساکین و یتامیٰ کی نگرانی اور زمین و جائداد کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے، پھر اور صدہا دنیوی ضرورتیں ہیں جن کو ترک نہیں کیا جا سکتا، اس بنا پر وہ استثنا کی درخواست کرتے ہیں، انہیں جواب دیا گیا کہ ایک مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول، اور جہاد فی سبیل اللہ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، اس نے سب محبتوں کو خیرباد کہہ کر صرف ایک اللہ اور اس کے کلمہ حق کی چاہت کے لئے اپنے دل کو مخصوص کر لیا ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حریت حقہ کی اشاعت میں اسکے عزیز و قریب رکاوٹ بن جائیں، ایک مسلم کی خصوصیت ہی یہی ہے کہ: لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم، (۵۸ : ۲۲) اس کی نسبت تو یہ کہا گیا ہے: ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالھم بان لھم الجنۃ، یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون، (۹ : ۱۱۱)

مشرکین کو مکہ سے نکال دیا گیا کہ وہ قرآن کو حکم نہیں مانتے تھے، اور اس کی تعلیم سے بے بہرہ تھے، اسکے بعد ابتدائی تعلیم شروع ہوئی کہ مسجدیں آباد ہوں، اور حاجیوں کی خدمت

کریں، اور اعلیٰ ترین تعلیم یہ قرار پائی کہ ہر فرزند اسلام اللہ کے نام پر قربان ہونے کو تیار رہے، سرزمین عرب میں صرف وہی لوگ رہ سکتے ہیں جو ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے طریق کار کا اتباع کرتے ہوں، جن کی زندگی کی انتہائی غرض یہی ہو کہ دنیا میں ایک عالمگیر اسلامی حکومت قائم کریں، قرآن حکیم کو کرۂ ارضی کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں پہنچا دیں، اور اس فرض جلیل کے ادا کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، خواہ وہ عزیز و قریب ہی کیوں نہ ہوں، پھر کس قدر تعجب ہے کہ ایمان باللہ کا دعوی کرنے کے بعد دنیاوی ضرورتوں کی وجہ سے تم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دو، اور اگر ایسا کیا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ تم اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہو جو غلامی و محکومی کی صورت میں نازل ہوگا۔

قلت تعداد

بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہماری تعداد کم ہے، ہمارے پاس سامان حرب نہیں، ہم ویسے بھی کمزور و ناتواں ہیں، ادھر مخالفین تعداد کے اعتبار سے، شان و شوکت کے اعتبار سے، سامان حرب کی فراوانی اور ذرائع و وسائل کی کثرت کے اعتبار سے ہم پر کہیں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے ایسے موقع پر دشمن سے جنگ کرنی ہلاکت کے مرادف ہے[ا] اور خود قرآن میں تصریح ہے: ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ، ان لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے:

(۲۵) لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ (۲۶) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ

بہت موقعوں پر اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے، اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور کر دیا تھا تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ دیکر ہٹ گئے، پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور مسلمانوں پر

[ا] اس آیت کے متعلق جو مغالطہ ان کج فہموں کے قلوب میں ہے اس کو ہم نے اپنی تفسیر سورۂ بقرہ الموسوم بہ الخلافۃ الکبریٰ میں دور کر دیا ہے۔

عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَعَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡھَا وَعَذَّبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِکَ جَزَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ ، (۲۷) ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰہُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○

تسکین نازل کی، اور فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو خوب سزا دی، اور کافروں کی یہی سزا ہے، پھر اللہ اس کے بعد جسے چاہے توبہ نصیب کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سنہ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے دونوں قبیلے مکہ اور طائف کے درمیان حنین میں اس غرض کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں، بنو ہوازن کا سردار مالک بن عوف اور ثقیف کا عبد یالیل بن عمرو تھا، کفار چار ہزار اور مسلمان بارہ ہزار تھے، صحابہ کو اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا، اور بعض کی زبان سے یہ الفاظ بھی نکل گئے: لن نغلب عن قلۃ، آج ہماری تعداد اتنی ہے کہ دشمن ہم پر غالب نہیں آسکتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابتدا میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، اور وہ بھاگ نکلے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، تمام صحابہ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے، دوبارہ حملہ کیا، اور اللہ تعالے نے شکست کے بعد فتح و کامرانی نوازش فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی یہ نصرت و امداد کچھ غزوہ حنین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جنگ بدر، احد، اور احزاب بھی اس میں شامل ہیں۔

ان آیات نے بتا دیا کہ قلیل تعداد کا عذر کر کے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے نہ رکنا چاہیئے، اس لئے کہ جنگ میں کامیابی کے لئے کثرت تعداد کی ضرورت نہیں، بلکہ صبر و استقامت استقلال و ثبات قدم، اور ایثار و سرفروشی کی ضرورت ہے، جب یہ امتیازات ایک فوج میں ہونگے تو وہ ضرور ایسے لشکر پر غالب آئیگی جو اگرچہ تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہو مگر اس میں فوجی ڈسپلن اور نظم و باقاعدگی کی کمی ہو، اور جذبات حقہ کا فقدان ہو، اسی بنا پر قرآن حکیم کہتا ہے:

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ، واللہ مع الصّٰبرین۔

غربت کا خوف

کفار و مشرکین کے ساتھ تجارتی تعلقات ہیں، مسلمانوں کی آمدنی کے ذرائع ان مخالفین ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور انہیں سے روپیہ وصول ہوتا ہے، اگر مسلمانوں کو ان دشمنان دین کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ برسر پیکار ہونے کی وجہ سے ہمارے تمام ذرائع آمدنی مسدود ہو جائیں گے، کہیں سے روپیہ وصول نہ ہوگا، اور چاروں طرف سے غربت و افلاس ہم پر حملہ آور ہوگا، اس لئے مصلحت اس امر کی مقتضی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ ہی نہ کی جائے ورنہ تمام قوم کی قوم برباد ہو جائیگی، اس غلط فہمی کو قرآن حکیم یوں دور کرتا ہے:

(۲۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۤءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○	مسلمانو! مشرک تو نرے ناپاک ہیں تو اس سال کے بعد مسجد الحرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں، اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہی تو تمکو عنقریب اپنے فضل سے غنی کر دیگا، بیشک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

حج کے زمانہ میں عام طور پر دستور تھا کہ تجارت کی چیزیں وہاں کثرت سے آتیں، اور خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہوتا، ذوالمجنہ اور عکاظ کی منڈیاں خصوصاً اس بات کے لئے مشہور تھیں، وہاں میلے لگتے، بڑے بڑے تاجر اپنی دکانیں کھولتے، اور مختلف قبائل اپنے مفاخر قومی بیان کرتے، جب اس سال مشرکین کا داخلہ بند ہو گیا تو قدرتی طور پر اس خیال کا آنا ضروری تھا کہ اب ہماری ضروریات کیونکر مہیا ہونگی، کیونکہ کفار کے نہ آنے سے آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہو گئے، اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا: من این نعیش، اب کس طرح گذارہ ہوگا، ان کے جواب میں فرمایا کہ مشرکین تو یکسر ناپاک ہیں، امراض کے جراثیم ان کے رگ و پے میں سرائت کئے ہوئے ہیں، شرک و بت پرستی، اور خیالات

فساد کی اشاعت ان کی فطرت بن گئی ہے، جہاں جائیں گے یہ بیماریاں ان کے ساتھ ہونگی، اور ہر جگہ وبائے عام کی طرح پھیل جائیں گی۔ اس لئے ایسے ناپاک لوگوں کا مسجد حرام کے قریب بھی آنا حرام ہونا ضرور ہے، ہاں اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان کے نہ آنے سے تمہاری تجارت بند ہو جائیگی تو تم اس بدظنی کو دل سے نکال دو، اور محض اس وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کردو۔

اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں جو مسلمانوں کو دولتمند کر دینے کا وعدہ دیا تو دیکھو یہ الفاظ کس قدر جلد پورے ہو کر رہے، قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر چند ہی روز میں مسلمانوں نے قبضہ کرلیا، اور تمام مہذب دنیا ان کے زیر نگیں ہو گئی، آج بھی جو لوگ ترک موالات کرنے سے صرف اس بنا پر رکے ہوئے ہیں کہ سرکاری ملازمت چھوڑ دینے پر ان کے گذارہ کی کیا صورت ہوگی، تو وہ ان آیات میں بار بار غور کریں، ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ۔

جزیرہ نمائے عرب

جمہور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت سے صرف یہی مراد نہیں کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں بلکہ یہ کہ وہ کسی حال میں وہاں داخل بھی نہ ہوں، اور مسجد حرام سے مقصود صرف احاطہ کعبہ ہی نہیں بلکہ تمام سرزمین حرم، اور اس بارہ میں اس کثرت سے صحیح احادیث مروی ہیں کہ کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے متعلق فرمایا: المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور، مدینہ کی زمین بھی مکہ کی طرح حرام ہے، اور عیر و ثور اس کے حدود ہیں، مسلم میں ہے: انی احرم ما بین لابتی المدینۃ ان یقطع عضاھا او یقتل صیدھا، میں تمام مدینہ کو حرام قرار دیتا ہوں، اس کی حدود میں شکار کرنا اور درختوں کا کاٹنا ممنوع ہے، حضرت انس کی روایت کو بخاری و مسلم، دونوں نے بیان کیا ہے: اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ، وانی احرم ما بین لابتیھا، خداوندا! ابراہیم نے مکہ کو حرام ٹھیرایا، اور میں مدینہ کو حرام کرتا ہوں،

ظہورِ اسلام کے وقت مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی عرب میں آباد تھے، یمن میں نجران عیسائیوں کا مرکز تھا، مدینہ کو خود رسول اللہ نے اپنی زندگی ہی میں ان عناصر سے پاک کر دیا تھا، بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صحابہ کو لیکر یہودیوں کے بیت المدراس میں تشریف لے گئے، اور فرمایا: یامعشر الیہود! اسلموا تسلموا، یہودیو! اسلام لاؤ تو نجات پاؤ گے، پھر فرمایا: اعلموا ان الارض للہ ولرسولہ، وانی ارید ان اجلیکم من ھذہ الارض، فمن وجد منکم بمالہ شیئا فلیبعہ والا فاعلموا ان الارض للہ ورسولہ، میں نے تمہیں اس ملک سے خارج کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، پس اگر تم اپنا مال و متاع فروخت کرنا چاہو تو کر لو، ورنہ یقین کر لو کہ اس ملک کی حکومت صرف اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہے، آپ کی وفات کے بعد خیبر اور نجران ہی دو ایسے مقامات باقی رہ گئے تھے جہاں ابھی یہودیوں اور عیسائیوں کی آبادی تھی، اسلئے وفات سے قبل آپ نے ان کے اخراج کی وصیت فرما دی، مرض الموت میں جن تین باتوں پر آپ نے خاص طور سے زور دیا، ان میں سے ایک بات یہ تھی: اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب، مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہود و نصاریٰ کے الفاظ موجود ہیں: لاخرجن الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلما، میں جزیرہ عرب سے تمام یہود و نصاریٰ کو نکالکر اس کو صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص کر دونگا، ایک حدیث میں ہے: اخرجوا الیہود اھل الحجاز واھل نجران من جزیرۃ العرب، نجران سے عیسائیوں کے اخراج کے متعلق امام زہری نے ابن عتبہ سے، اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے:

ماذال عمر حتی وجد لثبت عن رسول اللہ انہ قال لایجتمع بجزیرۃ العرب دینان، فقال من کان لہ من اھل الکتابین عھد فلیات بہ انفذ لہ، والا فانی مجلیکم، فاجلاھم، حضرت عمر، حدیث لایجتمع بجزیرۃ العرب دینان

کی اصلیت کے متعلق تحقیقات کرتے رہے، جب یہ روایت پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر کسی اہل کتاب کے پاس کوئی عہدنامہ ہو تو وہ لائے کہ میں اسے نافذ کر دوں ورنہ میں انہیں جلاوطن کر دونگا، چنانچہ عدم ثبوت کی بنا پر انہوں نے تمام عیسائیوں کو نجران سے خارج کر دیا۔

اب صرف جزیرہ نمائے عرب کی تحدید کا سوال رہ جاتا ہے، اس کے متعلق تمام جغرافیہ دان اس امر پر متفق ہیں کہ عرب طول میں عدن سے لیکر عراق کی ترائی تک، اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے، اس کی حد شمال میں داہنی جانب دجلہ ہے، اور عرض کا خط کھینچیں تو بائیں جانب شام، آج کل کے جغرافیوں میں یہ حدود بیان کی جاتی ہیں: پچھم میں بحر احمر، جنوب میں بحر ہند، پورب میں خلیج فارس، اور دکن میں ملک شام

فصل سوم

جاہدوا فی اللہ حق جہادہ

اصلاح عام

اس میں شک نہیں کہ جہاد کا اصلی مقصد دنیا میں امن قائم کرنا ہے، قرآن حکیم نے خود اس کی حد بتا دی: حتی تضع الحرب اوزارھا، جس وقت جنگ اور اس کے تمام اسباب بند ہو جائیں، اور زمین امن کا گہوارہ بن جائے تو فرزندان اسلام بھی اپنی تلواریں نیام میں کرلیں، لیکن اس جنگ کے لئے یہ شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ کافروں کو تو بیشک تلوار کے گھاٹ اُتارنا ضروری ہے، اس لئے کہ وہ توحید کے نہایت ہی سخت مخالف ہیں مگر باقی مذہبوں کو کیوں نشانۂ جہاد بنایا جائے، اور انہیں کیوں نہ اپنے خیالات کی اشاعت کا

موقع دیا جائے،

اگر آپ غور کر کے دیکھیں تو دنیا میں سب سے بڑے دو مذہب ہیں، یہودیت و نصرانیت،
اُن میں زمانہ دراز تک انبیاء کا سلسلہ قائم رہا، اور ان کے پاس کتب الٰہیہ بھی موجود ہیں،
پہلے ان کے حالات کو دیکھو، باوجود اہل کتاب ہونے کے اُنھوں نے کیسے کیسے غلط
عقائد اپنی طرف سے بنا لئے ہیں، جب ان کی دروغ بافیوں کی یہ کیفیت ہے تو اور
مذاہب تو ان سے کہیں زیادہ خراب حالت میں ہیں، پھر جب اہل کتاب کے ساتھ
جنگ کرنی ضروری ہے تو باقی ادیان کے ساتھ بدرجہ اولیٰ لازمی ہوگی، اس لیے
قرآن حکیم صرف اہل کتاب کے عقائد و اعمال پر بحث کرتا ہے، اسی پر دوسرے
مذاہب کو قیاس کر لو:

(۲۹) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ
دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ۝

جو نہ اللہ کو مانتے ہیں، اور نہ روز آخرت کو، اور
ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو اللہ اور اسکے
رسول نے حرام کر دیا، اور نہ سچا دین قبول کرتے
ہیں، اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب
دی گئی ہے ان لوگوں سے لڑو یہاں تک کہ وہ ذلیل
ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اہل کتاب میں حسب ذیل امراض موجود ہیں:

(الف) اللہ تعالےٰ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جب تک اس ذات واحد پر ایمان نہ ہو
انسان بیشتر حالات میں کبھی نیک کاموں کا خوگر نہیں ہو سکتا،

(ب) جزائے اعمال کا یقین نہیں، اس لئے اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے،
اور ہر برائی کے مرتکب ہوتے ہیں، حالانکہ قیامت پر ایمان لانے کا منشا یہ تھا کہ لوگ ہر
وقت احتساب اعمال کا خیال رکھیں، مگر اُنھوں نے قیامت کا تصوّر ہی ایسا بگاڑ دیا ہے کہ

اب لوگ کفارہ کے بھروسہ پر اپنے آپ کو ذمہ دار خیال نہیں کرتے، اور اس طرح ان کی زندگی امن عالم کے لئے خطرناک بن گئی ہے۔

(ج) شرائع الٰہیہ نے جن چیزوں کو متفقہ طور پر حرام کر دیا ہے وہ ان کو بھی حلال سمجھے ہیں، شراب خواری ان کا لازمۂ حیات ہے، بلکہ عیسائی حکومتیں اپنی نگرانی میں اس کو فروخت کراتی، اور لوگوں کو اس کا ٹھیکہ لینے پر مجبور کرتی ہیں، زنا ان کے نزدیک کوئی جرم نہیں، حکومت کی سرپرستی میں قمار خانے کھلے ہیں، اور سود پر تو ان کی زندگی کا دارومدار ہے،

(د) جرائم پیشہ قبائل کی طرح یہ کسی مقررہ قانون کے پابند نہیں۔

یہ ان لوگوں کے عقائد ہیں جو اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں، جن کا دعوی ہے کہ: لن تمسنا النار الا ایاما معدودات، ہم صرف چند روز تک جہنم میں جائیں گے، جو یہ کہا کرتے ہیں: لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاری، جنت کے ٹھیکیدار صرف یہودی اور عیسائی ہیں، پس جب ان کے ساتھ جنگ کرنی ضروری ہے تو باقی مذاہب کے ساتھ بدرجہ اولیٰ کرنی پڑیگی، اور اس جنگ سے مقصد یہ ہے کہ ان کو اتنا ذلیل کر دیا جائے کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں، کیونکہ اگر انہیں حکومت مل گئی تو ان خیالات کی اشاعت میں سرگرم کوشش کرینگے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور اس طرح امن عامہ خطرہ میں پڑ جائیگا، پس اصلاح عالم کی خاطر ان کو اتنا عاجز کر دیا جائے کہ مسلمانوں کو جزیہ دیں، عن ید وھم صاغرون سے یہ مراد نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی ذلت آمیز سلوک کیا جائے، محکوم ہونا سب سے بڑی ذلت ہے اور یہ کافی ہے،

غلط عقائد

اب ان کے بعض عقائد کی تفصیل بیان کی جاتی ہے، اسی ذیل میں ان کے کارناموں پر بھی روشنی پڑیگی:

(۳۰) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○

اور یہود نے کہا، عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاری نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ ان کا قول انکے منہ سے ہے، اگلے کافروں کے قول کی ریس کرنے لگے، اللہ ان کو غارت کرے، کہاں پھرے جا رہے ہیں۔

باوجود اس بات کے کہ یہود و نصاریٰ کتب آسمانی کے حامل اور رسولوں کے سلسلہ سے واقف ہیں، پھر بھی انہوں نے اپنے عقائد میں شرک کو داخل کر لیا ہے، ابراہیم سے لیکر عیسی علیہم السلام تک صدہا انبیاء ان میں مبعوث ہوئے، جن کی تعلیم یہ تھی کہ صرف ایک اللہ کی غلامی کرنی چاہیے: فلا تموتن الا وانتم مسلمون، (۲ : ۱۳۲) مرو تو مسلمان مرد۔ مگر پھر بھی یہودیوں کا ایک فرقہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگا، اور اسی قسم کی واہیات باتیں عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف منسوب کیں، مذہبی آدمی ہو کر مشرکوں کی سی باتیں کرتے ہیں، لعنت ہو اُن پر کیسی کفر کی باتیں اپنی زبان سے نکالتے ہیں۔

شرک فی الاعمال

جب عقائد میں شرک آگیا تو اس کا لازمی نتیجہ ہوا کہ ان کے اعمال بھی اسی سانچہ میں ڈھل گئے، گزشتہ آیات میں ان کے غلط عقیدوں کا تار و پود بکھیرا تھا اب ان کے اعمال کی حقیقت بیان کی جاتی ہے:

(۳۱) اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰــهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

اُنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں، پیروں اور مسیح بن مریم کو خدا بنا لیا، حالانکہ انہیں صرف یہ حکم ہوا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں، اسکے سوا کوئی معبود نہیں، ان کے شریک بنانے سے وہ پاک ہے۔

علما اور مشائخ کی عزت صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کے حامل ہوتے ہیں، اور ان کے ذریعہ سے کلمۃ الحق کی اشاعت ہوتی ہے، اگر یہ خصوصیت انہیں قائم نہ رہے، اور ان کی ہر بات بے چون وچرا تسلیم کی جانے لگے تو پھر ان میں فرعونیت کا پیدا ہونا لازمی ہے، اہل کتاب میں یہی خرابی تھی کہ انہوں نے کتاب اللہ کو تو پس پشت ڈال دیا تھا، اور اپنے پیروں اور عالموں کے اقوال کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لیا تھا،

حدیث میں آتا ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ایک روز دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ سورہ براۃ کی یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے، عدی نے عرض کیا: انہم لم یعبدوھم، وہ لوگ ان کی پوجا تو نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا: بل انھم حرموا علیہم الحلال واحلو لھم الحرام فاتبعوھم فذلک عبادتہم ایاھم، ان علما ومشائخ نے حلال کو حرام، اور حرام کو حلال کر دیا تو ان لوگوں نے انکا اتباع کیا، عبادت کا یہی مطلب ہے۔

(۳۲) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (۳۳) هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اگرچہ کافر برا مانیں مگر اللہ اپنا نور ضرور پورا کر کے رہیگا، اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا تاکہ ہر دین پر اس کو غالب کر دے، اگرچہ مشرک ناخوش ہوں۔

حاملین مذہب ہونے کی حیثیت سے تو ان کا اولین فرض تھا کہ کتاب الٰہی کے ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ کو دنیا کا دستور العمل بنانے کی کوشش کرتے مگر ان بدبختوں کی عقل پر ایسے پتھر پڑ گئے کہ اس فرض کو انجام دینے کی بجائے انکی کوششیں

نے ایسا غلط راستہ اختیار کر لیا ہے کہ اس کا نتیجہ حق کی آواز کو پست کر دینا ہے، مگر وہ یاد رکھیں کہ اللہ کا نور پورا ہو کر رہیگا، اہل کتاب کو بہترین مذہب دیا گیا مگر انہوں نے اس کی تعلیم کو بالکل بگاڑ دیا، اب مذہب کے مقصد اصلی کو پورا کرنے کے لئے ایک رسول آیا ہے جس کا دین تمام دینوں پر غالب ہو کر رہیگا، یہود و نصاریٰ اس مذہب کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہیں گے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ان کو کمزور کر دیں۔

احادیث میں تفصیل کے ساتھ اس فتح و کامرانی کا ذکر کیا گیا ہے، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ان اللہ زوی لی الارض مشارقھا ومغاربھا وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منھا، اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشرق و مغرب کو لپیٹ کر میرے سامنے رکھ دیا، جس قدر زمین لپیٹ دی گئی وہ سب میری امت کے زیر حکومت ہوگی مسند امام احمد میں ہے: انہ ستفتح لکم مشارق الارض ومغاربھا وان عمالھا فی النار الا من اتقی اللہ وادی الامانۃ، زمین کے مشرق و مغرب تمہارے لئے مفتوح ہونگے، اور اس کے حکام میں سے صرف وہی لوگ جنت کے مستحق ہونگے جو تقوی اللہ اختیار کریں، اور ادائے امانت کے خوگر ہوں۔

عالم اور دولتمند

(۳۴) يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم

مسلمانو! اہل کتاب کے اکثر عالم اور پیر لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو جس دن وہ دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا۔ پھر انکے

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، (۳۵) يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○	ماتھے، اور کروٹیں، اور پشتیں داغی جائینگی، اور کہا جائیگا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

ان علماء اور مشائخ کی یہ حالت ہے کہ غلط عقیدے اور رسمیں بنا کر لوگوں سے روپیہ وصول کرتے ہیں، خود بدترین نمونے بن کر لوگوں کو سیدھے راستہ سے روکتے ہیں، اور اس طرح علم صحیح کی اشاعت نہیں ہونے دیتے،

قوم کی تباہی اس وقت آتی ہے جب اس کے علماء و مشائخ اور ارباب دولت خراب ہو جائیں اور بالکل مردہ بن جائیں، اہل کتاب کے عالموں اور پیروں کی حالت تو معلوم ہو گئی اب دولتمندوں کو دیکھو جن کو روپیہ اس لئے دیا گیا تھا کہ جتنا روپیہ ان کی ضروریات سے بچ جائے وہ رشتہ داروں اور قومی کاموں میں صرف کریں، مگر انہوں نے زمین میں گاڑنا شروع کر دیا، اس لئے قیامت کے روز قانون مکافاتِ عمل کے مطابق یہی روپیہ گرم کر کے ان کے جسموں کو اس سے داغا جائیگا۔[۵]

---

[۵] ان آیات میں اہل کتاب کے عالموں، پیروں، اور دولتمندوں کا تذکرہ ہے، لیکن اگر تم غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ ان کا ایک ایک حرف آج بھی امت مسلمہ پر صادق آرہا ہے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: من فسد من علمائنا، کان فیه شبه من الیهود، ومن فسد من عبادنا، کان فیه شبه من النصاری، ہمارے عالموں میں سے جو خراب ہوا اس میں ضرور یہودیت اثر کر گئی ہے، اور اگر ہمارے صوفیا خراب ہوں تو وہ نصاریٰ کے نقش قدم پر چلے جا رہے ہیں، علماء و مشائخ کو دیکھو وہ کس طرح دنیا سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، مگر سب سے زیادہ حریص اور طامع وہی ملیں گے، سچ ہے:

عجبت من شیخی ومن زهدہ   وذکرہ النار واهوالها!

جہاد ہمیشہ رہیگا

یہاں تک یہ بات ثابت ہو گئی کہ کسی بڑی سے بڑی مذہبی جماعت کا تقدس ہمیں جہاد فی سبیل اللہ سے روک نہیں سکتا، اب بتایا جاتا ہے کہ اشہر حرم اور مقدس مہینوں میں بھی جنگ نہیں رک سکتی، بلکہ ہمیشہ جاری رہیگی:

(۳۶) اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○	اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے، جس دن اس نے آسمان اور زمین پیدا کئے، ان میں چار مہینے ادب کے ہیں، یہی دین سیدھا ہے تو ان میں اپنے اوپر ظلم مت کرو، اور تم تمام مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں، اور جانے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ مسلسل کام کرنیکے بعد وہ آرام کی طلبگار ہوتی ہے، اسلئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق) ترجمہ۔ میں اپنے شیخ اور اسکے زہد کو دیکھتا ہوں، اور جس وقت وہ دوزخ اور اسکی تکالیف کا ذکر کرتا ہے تو حیرت میں رہ جاتا ہوں۔

یکرہ ان یشرب فی فضۃ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ویسرق الفضۃ ان نالھا!

چاندی کے برتن میں پانی پینا اسکے نزدیک مکروہ ہے، لیکن اگر چاندی کو کہیں دیکھ پائے تو فوراً چرالے۔

ابن المبارک نے خوب کہا:

وھل افسد الدین الا الملوک ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ واحبار سوء و رھبانھا!

اور دین کو دولتمندوں، علمائے سو، اور صوفیا کے سوا اور کس نے خراب کیا ہے۔

ہمارے زمانہ کے بھی اکثر عالموں اور پیروں نے اپنی آمدنی کے چند ذرائع مقرر کر لئے ہیں اور چونکہ ان کا مقصد جمع مال ہوتا ہے، اس لئے وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ لوگ ان کے مجوزہ طریقوں کو ترک نہ کر دیں، پھر اس صورت میں انہیں قرآن میں غور کرنے کا کہاں موقع مل سکتا ہے۔

جب جہاد ہمیشہ رہیگا تو ضروری ہوا کہ سپاہیوں کو سال بھر میں چار ماہ کی رخصت دیجائے اور وہ ذیقعد، ذی الحجہ، محرم، اور رجب ہیں، ان دنوں مسلمانوں کو اپنی طرف سے جنگ شروع کرنے کی ممانعت ہی، لیکن اگر کفار کی جانب سے ابتدا ہو تو جواب دینے کے لئے خود مسلمانوں کو بھی ہتھیار سنبھالنے پڑینگے، ان مہینوں کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی جیسا کہ بعض اہل علم کا خیال ہے بلکہ یہ حرمت قیامت تک رہیگی، اور اس کا منشار صرف اتنا ہے کہ مسلمان جنگ کی ابتدا نہ کریں، حدیث میں آتا ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب فی حجۃ، فقال الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق السموٰت والارض السنۃ اثنا عشر شہرا منہا اربعۃ حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی و شعبان، (بخاری) حجۃ الوداع کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مبسوط خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے ذیقعد، ذی الحجہ محرم اور رجب حرام ہیں | اب جو لوگ ان مہینوں کی حرمت کو منسوخ مانتے ہیں وہ بتائیں کہ حجۃ الوداع کے بعد آپ نے کسوقت نسخ فرمایا،

ان مہینوں کی حرمت کے قائل اب تک صرف اہل عرب ہی تھے مگر اب قانون کو عام کیا جائیگا، اور چونکہ اسلام عالمگیر مذہب ہی اس لئے تمام دنیا کے مسلمان ان مہینوں کا احترام کریں گے، مگر اس حرمت سے یہ مراد نہیں کہ تم بے دست و پا ہو کر بیٹھ جاؤ بلکہ جب مخالفین تم کو متحد ہو کر تباہ کرنا چاہتے ہیں تو تم بھی اکھٹے ہو کر ان کا نام و نشان مٹا دو، جب تمام دنیا تمہیں برباد کرنے کی ٹھان لے تو اس وقت کمال تقویٰ یہی ہے کہ تم بھی ان کی فنا سامانی پر کمربستہ ہو جاؤ۔

دھوکا دہی

(۳۷) اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی | بس مہینوں کا سرکا دینا کفر میں زیادتی ہی، جس سے

الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

کافر گمراہ کئے جاتے ہیں، کہ اس مہینے کو ایک برس حلال سمجھتے ہیں، اور دوسرے برس اس کو حرام کرنے لگتے ہیں تاکہ گنتی پوری کرلیں جو اللہ نے ادب کی رکھی ہے، پھر جو اللہ نے حرام کیا حلال کرلیں انکی بدکرداریاں انکو آراستہ کر دکھائی گئی ہیں، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

عرب کے لوگ ابراہیمی ملت پر ہونے کی وجہ سے ان مہینوں کی تعظیم تو ضروری خیال کرتے تھے چونکہ وہ جنگجو تھے، اور ان کا گزارہ عام طور سے لوٹ مار پر تھا۔ اس لئے تین ماہ تک مسلسل خاموش رہنا بھی ان کے لئے سخت تکلیف دہ تھا، اس لئے جنگی ضرورتوں سے مجبور ہو کر وہ ان پاک مہینوں میں تبدیلی کر دیتے، اور حج کو موخر کر دیتے، اس عادت کو النسی کہا گیا ہے، اس بیہودہ حرکت کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اللہ تعالے کے حرام کردہ مہینے حلال بن جاتے، اور حلال کو حرام بناکر نافرمانی کے مرتکب ہوتے، اس کے علاوہ فریب کاری بھی تھی، اسلام نے ان مہینوں کی حرمت کو قانونی شکل دیدی، اب کسی شخص کو طاقت نہیں کہ اس حرمت کو بدل سکے، بلکہ جو لوگ ان کا احترام نہ کرینگے ان سے جنگ کی جائیگی۔

کوئی استثنا نہیں

گزشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ تمہیں اہل کتاب سے جنگ کرنی پڑیگی، اب اس غزوہ کا تذکرہ آتا ہے جس میں اہل کتاب سے جنگ ہوئی۔

(۳۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ

مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین پر ڈھیے جاتے ہو، کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر راضی ہو بیٹھے،

بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ○ | سو آخرت کے حساب میں دنیا کی زندگی فائدہ کچھ نہیں مگر تھوڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم نے چالیس ہزار فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجی ہے، آپ نے یہ خبر سنتے ہی اعلان کر دیا کہ تمام مسلمان بلا استثنا ر تیار رہوں، لیکن اس وقت حالت یہ تھی کہ قحط کی وجہ سے تمام لوگ پریشان تھے، شام کی سرحد پر تبوک واقع تھا جہاں مسلمانوں کو جنگ کے لئے جانا تھا، ادھر مدینہ کے تمام نخلستان پک چکے تھے، اور یہی وقت کھجوروں کے اُتارنے کا تھا، اس پر گرمی کی شدت مستزاد، پھر مقابلہ ایک ایسی فوج سے تھا جو نظم و ترتیب اور قوت و طاقت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھی، یہ امتحان کا وقت تھا، اور بعض مخلصین سے لغزش کا ظہور ہوا۔ باوجود ان تمام باتوں کے تیس ہزار فرزندانِ اسلام توحید کے جھنڈے کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے، مسلمانوں کے فقر و فاقہ کی یہ کیفیت تھی کہ دس صحابہ میں ایک سواری تقسیم ہوئی، خوراک بھی بہت کم تھی، اس لئے غزوۂ تبوک کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں، اس آیت میں اسی جنگ کی طرف اشارہ ہے۔

حکومت کا مرکز قائم ہو چکا ہے، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو جاری کرنے کے لئے اس مرکز کو مضبوط کر دیا جائے، ورنہ اس کی کمزوری سے دشمن فائدہ اٹھائیں گے، اس وقت عیسائیوں کی ایک جماعت مسلمانوں کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے، پھر ایسے وقت میں مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جب انہیں اللہ کی راہ میں، اور اس مرکز کے بقا کی خاطر جہاد کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو کاہلی اور سستی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا راز صرف جہاد ہی میں پنہاں ہے": استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (۸ : ۲۴) جب اللہ اور اس کا رسول تم کو ایسی چیز کی دعوت دے جس میں تمہاری زندگی ہے تو اسے فوراً لبیک کہو،

کیا تم دنیا کی چند روزہ زندگی پر فریفتہ ہو گئے ہو، حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں، حدیث میں آتا ہے: ما الدنیا فی الآخرۃ الا کما یجعل احدکم اصبعہ ھذہ فی الیم فلینظر بم ترجع واشار بالسبابۃ۔ (مسلم) اپنی شہادت کی انگلی سمندر میں ڈالکر دیکھو اس کے ساتھ کس قدر پانی آتا ہے، یہی حال دنیا کا آخرت کے مقابلہ میں ہے۔

(۳۹) اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـئًا ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دیگا، اور تمہارے بدلے دوسرے لوگ پیدا کر دیگا، اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو یہ خیال نہ کرنا کہ تمہارے رہ جانے سے مسلمانوں کی ترقی رُک جائیگی، یہ تو نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں دنیا اور آخرت، دونوں جگہ سخت ترین عذاب ہوگا، دنیا کی تاریخ تمہارے سامنے ہے جس قوم نے بھی تلوار سے علیحدگی اختیار کی ہے، اس کا کیا انجام ہوا ہے، کس طرح اس نے جنگجو اقوام کے لئے جگہ خالی کر دی ہے، اور خدا کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں کہ ایک قوم کی تباہی پر دوسری کو کھڑا کر دے: فاعتبروا یا اولی الابصار۔

غار ثور کا واقعہ

(۴۰) اِلَّا تَـنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا

اگر رسول کی مدد نہ کرو گے تو یقیناً اللہ ان کی مدد کر چکا ہے جس وقت انکو کافروں نے نکالا ہے کہ وہ دو میں دوسرے تھے، جب دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تم غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنی

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

طرف سے ان پر تسکین اُتاری، اور ایسی فوجوں سے ان کی مدد کی کہ تم نے ان کو نہیں دیکھا، اور کافروں کی بات نیچی ہو کر رہی، اور اللہ ہی کا بول بالا ہے، اور اللہ غالب صاحب تدبیر ہے۔

اس آیت میں غار ثور کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب کفار مکہ نے ظلم وستم میں حد سے تجاوز کیا، اور دار الندوہ میں جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تو وحی الٰہی نے آپ کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دی، آپ اور حضرت ابو بکر شب کے وقت شہر سے نکلے، اور تین میل کے فاصلہ پر غار ثور میں چھپ گئے، کفار بھی آپ کی تلاش میں وہاں آ گئے، اور ادھر اُدھر تلاش کرنے لگے اس وقت حضرت ابو بکر کو یہ اندیشہ ہوا کہ یہ لوگ کہیں آپ کو نہ دیکھ پائیں، آپ نے فرمایا: لاتحزن ان اللہ معنا:

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است!

ایسے خوف اور دہشت کے وقت میں سکون واطمینان قلب کا رہنا بڑی ہی قوت کا کام تھا، اس اطمینان اور استقلال کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافر بے نیل مرام گھروں کو واپس لوٹے، اور خدا کی بات پوری ہو کر رہی، اللہ کی بات تو ہر صورت میں اوپر ہی رہیگی مگر مسلمانوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ اللہ کا دست عمل بن کر اس کے قانون کو بلند کریں، ورنہ وہ تو فرشتوں سے بھی کام لے سکتا ہے، اگر تم نے اس کو اپنا مقصد حیات نہ بنایا تو تباہ کر دیے جاؤ گے۔

ہر وقت تیار رہو

(۴۱) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ

ہلکے اور بوجھل نکل کھڑے ہو، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اگر تم علم رکھتے ہو تو

سَبِيْلِ اللهِ ۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؕ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

ایک مسلمان کا فرض یہی ہے کہ وہ کسی حالت میں ہو جس وقت الجہاد! الجہاد!! کا اعلان سنے فوراً میدان جنگ میں حاضر ہو جائے، اور اپنی ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دے، اسے نہ تو افلاس اور دولتمندی مانع ہو، نہ انفراد و اجتماع کا خیال ہو، جوانی اور بڑھاپے کی جانب توجہ نہ ہو اور پیدل اور سواری کا خطرہ تک نہ آنے پائے غرض یہ کہ شخصی مصلحتوں پر غور کئے بغیر ہر وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہے۔
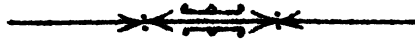
باب ۲

فصل اوّل

ارباب نفاق

مصالح خصوصی

اب تک گزشتہ آیات میں ان مشکلات کو بیان کیا گیا تھا جو جہاد فی سبیل اللہ شروع ہونے سے قبل لوگوں کے لئے رکاوٹ کا باعث بن جاتی ہیں، اب ان امور پر بحث ہوتی ہے جو جنگ شروع ہونے کے بعد رونما ہوتے ہیں۔

(۴۲) لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ○

اگر کچھ فائدہ قریب الحصول، اور سفر متوسط درجہ کا ہوتا تو تمہارے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو مسافت دور معلوم ہوئی، اور اب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے، یہ لوگ اپنی جانیں وبال میں ڈالتے ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں،

تمام عیسائی دنیا مسلمانوں کو برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے، ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے ہیں، ان کے ملکوں پر غیروں کا قبضہ ہو رہا ہے، مگر آہ تم آہ! مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اس سخت ترین مصیبت کے وقت مدافعت کے فرض سے الگ رہنے کی فکر میں ہیں، وہ اول تو یہ چاہتے ہیں کہ انہیں اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ اس جنگ میں کامیابی قطعی ہے، وہ انجام کی فکر میں ہیں، اور بغیر اس نتیجہ کے معلوم کئے آگے بڑھنا خلاف عقل سمجھتے ہیں، دوسرے ان کی دلی آرزو یہ ہے کہ سفر بھی دور دراز کا نہ ہو اکسی قسم کی تکلیف بھی نہ اٹھانی پڑے، اور مقصد بھی حاصل ہو جائے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں بیکار ہیں، اور یہ انہیں کو سوجھتی ہیں جن کے دل ملک اور قوم کی ہمدردی سے خالی ہوں، اور صرف زبانی باتوں سے مسلمانوں کو خوش کرنا چاہتے ہوں، بلکہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ضرور اس موقع پر مدد کرتے، مگر حق یہ ہے کہ انہیں اپنے آپ کو جنگ سے مستثنیٰ کرنے کا کوئی حق نہ تھا، ان کا فرض تیاری کرنا تھا، چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے انہیں ضرور سزا ملیگی، اور ان حرکتوں سے وہ اسلام کو تو نقصان پہنچانے سے رہے خود اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالیں[۱] گے۔

عفوو درگزر

(۴۳) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (۴۴) لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ	اللہ نے تمکو معاف کر دیا، تم نے ان کو کیوں اجازت دیدی تھی یہاں تک کہ تم پر سچے ظاہر ہو جاتے، اور یہ کہ تم جھوٹوں کو جان لیتے، تم سے وہ لوگ رخصت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائے ہیں کہ اپنے مال اور جان سے لڑیں اور اللہ پرہیزگاروں کو

[۱] ان آیات میں اگرچہ غزوہ تبوک کی طرف اشارہ ہے مگر یہ آج بھی ہم مسلمانوں پر صادق آرہی ہیں، اپنے گردوپیش دیکھو اسلامی حکومتوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اور ہم کس خواب خرگوش میں ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ | خوب جانتا ہے۔

جس وقت بعض منافقین نے غزوہ تبوک سے مستثنیٰ ہونے کی درخواست پیش کی تو آپ نے مصلحت سے کام لیکر ان کے جھوٹے عذر قبول کر لئے ان لوگوں کے عذروں کو قبول کر لینا یہ معنی رکھتا تھا کہ ان کو ہلاکت میں جانے کا موقعہ دیا جارہا ہے اس لئے فرمایا کہ ہم نے تمہاری خطا معاف کردی، اور یہ غلطی اس قسم کی ہے کہ استاد اپنے شاگردوں کی بے اعتنائی کو دیکھتا ہے اور پروا نہیں کرتا، ایسا کرنا اس کی شفقت کے خلاف ہے، اس کے بعد فوراً ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا گیا کہ ارباب ایمان کبھی استثنار کی درخواست نہ کرینگے بلکہ انکی تو ہمیشہ یہی آرزو رہتی ہے کہ وہ اپنی ہر چیز اللہ کے نام پر قربان کردیں: ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین میری ہر قسم کی عبادت، زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لئے ہے۔

شکی لوگ

(۴۵) اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ (۴۶) وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○

بس تم سے وہی رخصت مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے، اور ان کے دل شک میں پڑے تو وہ اپنے شک ہی میں بھٹکتے ہیں، اور اگر نکلنا چاہتے تو اس کا کچھ سامان تیار کرتے، لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا ناپسند ہوا تو انکو کاہل بنا دیا، اور کہدیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

یہاں سے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں جو بظاہر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، اور بباطن اس کی بیخ کنی کی فکر میں رہتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان حالات کو پڑھ کر اپنے گریبان میں منہ ڈالیں،

جنگ سے بھاگنے کی صرف وہی شخص کوشش کریگا جس کا دل ایمان سے خالی ہو،

جیسے ہر وقت یہ کھٹکا لگا ہوا ہو کہ مسلمانوں کا پابند مذہب بن کر ترقی کرنا ممکن نہیں، اور اسی شک کی وجہ سے وہ خود حیران و سرگردان پھرتا ہو کہ کیا کرے، اور کیا نہ کرے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان لوگوں کا ارادہ جنگ کے لئے نکلنے کا تھا، اور معذور ہونے کے باعث رہ گئے تو یہ خیال بھی غلط ہے، اس لئے کہ تیاری کرنا ان کا فرض تھا، اس کے بعد اگر کوئی دقت پیش آجاتی تو یہ امام کا کام تھا کہ انکو مستثنیٰ کر دیتا، یہ خود اپنے آپ کو مستثنیٰ کرنے والے کون تھے، یہ لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان نااہلوں کو جہاد کی عزت سے محروم رکھنا چاہتا تھا، اس لئے سستی اور کاہلی کا شکار بن گئے، اور شرکت سے محروم رہے۔

جاسوس ہیں

(۴۷) لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (۴۸) لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○

اگر یہ تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو بس تم میں خرابیاں ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان بگاڑ ڈالنے کی خاطر دوڑے دوڑے پھرتے، اور تم میں بعض انکی سن بھی لیتے ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اُنہوں نے پہلے بھی فساد ڈلوانا چاہا تھا، اور تمہارے لئے تدبیروں کو اُلٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آپہنچا، اور اللہ کا حکم غالب ہوا، اور وہ ناخوش ہی رہے۔

یہ سمجھانے کا شفقت آمیز طریقہ ہے کہ مجرم کو اس کے قصور کا ذمہ دار بنا دیا، اور ادھر مسلمانوں کو بھی اطمینان دلا دیا کہ اچھا ہوا یہ تمہارے ساتھ نہیں گئے، فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچاتے، دوسروں پر بُرا اثر پڑتا، خرابیاں پھیلاتے، اور تم میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے تمہارے درمیان ریشہ دوانیاں کرتے، یہی اُن کی عادت ہے، اور کبھی اس سے

باز نہ آئیں گے، اگرچہ یہ منافقین اس وقت تمہارے ساتھ میدان جنگ میں نہیں مگر ان کے جاسوس برابر لگے ہوئے ہیں، جن کا کام یہ ہے کہ تمہاری کمزوریوں کی یاد داشت تیار کریں اور جب تم واپس جاؤ تو ان کی ایک فہرست مرتب کرکے دنیا کے سامنے پیش کردیں،

غزوۂ اُحد میں عبداللہ بن ابی بن سلول اسی عادت سے مجبور ہوکر اپنے ساتھیوں کو راستہ سے واپس لے آیا، غزوۂ احزاب میں یہود ہی عہدنامہ توڑ کر کفار مکہ کے ساتھ مل گئے، غزوہ تبوک میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی مگر اللہ کے فضل و کرم سے تمہیں کامیابی ہوئی، اور یہ فتح تو اُن کے لئے سخت ناگوار تھی۔ ان منافقین کی اس قسم کی عادتوں کے متعلق ایک جگہ فرمایا: ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه وانهم لكٰذبون (۶ : ۲۸) اور اگر واپس بھی کئے جائیں تو پھر بھی وہی کریں جس سے ان کو منع کیا گیا، اور بیشک وہ جھوٹے ہیں، ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا: ولو علم الله فيهم خيرا لاسمعهم ط ولو اسمعهم لتولوا وهم معرضون (۸ : ۲۳) اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انکو سناتا، اور اگر ان کو اب سنادے تو ضرور بے رخی کرتے ہوئے روگردانی کریں۔ سورۂ نساء میں آتا ہے: ولو انا كتبنا عليهم ان اقتلوا انفسكم او اخرجوا من دياركم ما فعلوه الا قليل منهم ط ولو انهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيرا لهم (۴ : ۶۶) اور اگر ہم ان کو حکم دیدیتے کہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو یا اپنے وطن سے نکل جاؤ تو کبھی ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے تھوڑے، اور اگر وہ یہی کریں جسکی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہو۔

پس جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ سے بچنا چاہتے ہیں ان کی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالنی چاہیئے اور اگر وہ ابتدا ہی سے بدکار چلے آتے ہیں تو اُن کے پیچھے رہنے سے گھبرانا نہیں چاہیئے کیونکہ ان کی شرکت کبھی مفید نتائج نہیں پیدا کریگی۔

فتنہ سے بچتے ہیں

(۴۹) وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (۵۰) إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ۝

اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھکو رخصت دیجئے اور بلا میں نہ پھنسایئے اسن لو یہ تو بلا میں آ ہی گرے، اور کافروں کو دوزخ گھیرے ہوئے ہے، اور اگر تم کو بھلائی پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہونچ جائے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہمنے پہلے ہی اپنا کام ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا، اور خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ آپ نے ایک منافق جد بن قیس سے غزوہ تبوک میں شریک ہونے کے لئے فرمایا تو اس نے جواب دیا کہ میرا طبعی میلان عورتوں کی جانب بہت زیادہ ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ رومیوں کی عورتیں میرے لئے فتنہ کا دروازہ نہ کھولدیں اس لئے مجھے تو مدینہ ہی میں رہنے دیجئے آپ یہ سن کر بہت ناراض ہوئے، اور غصہ میں آکر اس کو رہنے کی اجازت دیدی، اس واقعہ سے یہ نتیجہ بآسانی نکالا جاسکتا ہے کہ جبکہ عالم اسلامی پر مصیبتوں اور تکلیفوں کے بادل امنڈ آئے ہوں اس وقت جو زاہدانِ خشک "برزباں تسبیح و در دل گاؤخر"، کے مصداق اللہ اللہ کے نعرے لگاتے ہیں، اور علمائے سو رکتاب وسنت کے محض الفاظ پر اپنی قوت صرف کرتے ہیں، اور جب ان کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کہا جاتا ہے تو یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم بھی جہاد میں شریک ہوگئے تو ہم تھوڑے بہت نیک کام سے بھی محروم رہ جائیں گے، اور مفت کا فتنہ کھڑا ہو جائیگا، انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت اُنھوں نے اسلام کی مدافعت میں حصّہ نہ لیا، اور دشمنوں کو ممالک اسلام پر حملہ کرنے سے نہ روکا تو اُنھوں نے خود فتنہ کو دعوت دیدی، اب کفار ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاکر ان کے ملکوں پر قبضہ

کرلینگے، اوران زاہدان گوشہ نشین کو ذبح کرینگے، اور جو باقی رہ جائینگے وہ غلاموں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونگے، پھر بتاؤ فتنہ یہ ہے یا وہ کیا غلامی میں بھی کوئی دین باقی رہ سکتا ہے؟

ان میں سے منافقین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی انہیں ناگوار گزرتی ہے، اور اگر سوئے اتفاق سے انہیں تکلیف پہنچے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے، اور کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی عقلمندی سے کام لیکر اس میں شرکت نہیں کی، ہمیں تو پہلے ہی خیال تھا کہ اس کا یہی انجام ہوگا، کاش وہ اس بات کو سمجھتے کہ کامیابی تو صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے اپنا فرض ادا کردیا۔

غازی یا شہید

(۵۱) قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۵۲) قُلْ	کہدو کہ ہمکو کچھ نہ پہونچیگا مگر وہی جو ہمارے لئے اللہ نے لکھدیا ہے، وہی ہمارا کارساز ہے، اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے، کہدو تم ہمارے

هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کرتے

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝	ہو، اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ اپنے پاس سے، یا ہمارے ہاتھوں سے تم پر عذاب ڈالے، تو تم منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

ایک مسلمان جب تقدیر کے آگے اپنی گردن خم کرلیتا ہے تو دنیا کے تمام باطل پرستوں کے آگے سربلند ہوجاتا ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خدا کی مرضی کے بغیر مجھے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاسکتی، اور مسلمان تو ایک لمحہ کے لئے بھی ناکام نہیں رہ سکتا، وہ تو صرف فتح وکامرانی ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، وہ اگر اس جہاد فی سبیل اللہ میں مرجاتا ہے

تو بہرہ اندوز شہادت ہوتا ہے، اور اگر زندہ رہا تو غازی ہونے میں کلام نہیں، فرض ادا کرنا تھا اور وہ ہو گیا۔ رہے مخالفین اسلام، ان کی حالت یہ ہے کہ چونکہ وہ اسلام کے دشمن ہیں اسلئے بالکل ممکن ہے کہ آفات ارضی و سماوی سے تباہ ہو جائیں، یا مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل ہوں، اگر انتظار کرنا ہے تو کر دیکھو۔

روپیہ بیکار ہے

(۵۳) قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ، (۵۴) وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (۵۵) فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ؀

کہدو کہ خوشی سے خرچ کرو، یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا، تم بیشک نافرمان لوگ ہو، اور اس کے سوا اور کوئی چیز ان کا خرچ قبول کرنے سے مانع نہیں آئی کہ وہ اللہ اور رسول کے منکر ہوئے، اور نماز کو نہیں آتے مگر الکسائے ہوئے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے، پس ان کے مال اور اولاد تم کو تعجب میں نہ ڈالیں، بس اللہ چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں ان کو مبتلائے عذاب رکھے، اور ان کی جان اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں۔

گزشتہ آیات میں منافقین کے جو حالات بیان کئے گئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تو اس دباؤ میں آکر انہوں نے مذہبی چندوں میں حصہ لینا شروع کر دیا، ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم اس تعلیم کو صحیح سمجھتے ہو تو اس کی خاطر جان دینے کو تیار ہو جاؤ، اس وقت اسلام کو اسی جانی قربانی کی ضرورت ہے، اگر اس کے لئے تیار ہو تو پھر مال بھی قبول کیا جا سکتا ہے، اور اگر یہ نہیں تو روپیہ دینا بے سود ہے، اور شریعت کی نظر میں اس روپیہ کی کوئی عزت نہیں، تم سے بڑھکر اور کون بے حیا ہوگا کہ اپنا خون تو

بہاتے نہیں جس کی اس وقت ضرورت ہے، اور روپیہ دیکر اس کو ٹالنا چاہتے ہو، ایسے لوگوں کے صدقات ہرگز قبول نہیں ہوسکتے، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے، نافرمان ہیں، نماز کی شرکت میں کاہلی سے کام لیتے ہیں، اور یہ سستی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ چونکہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے جس سے ان منافقین کے پوست کندہ حالات معلوم ہوجاتے ہیں تو یہ نماز میں اس وقت شریک ہوتے ہیں جب قرآن ختم ہونے کے قریب ہوتا کہ یہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرسکیں، پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ان سے کہا جائے تو انہیں بہت ناگوار گزرتا ہے، جن لوگوں کی دولت قوم اور ملک کے کام نہ آئے وہ کس کام کی، اس کی وجہ سے تو یہ ان کے لئے عذاب کا باعث بن جائیگی، ایک جگہہ آتا ہے: ولا تمدن عینیك الیٰ ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیوٰة الدنیاه لنفتنهم فیه ورزق ربك خیر وابقیٰ" (۲۰ : ۱۳۱) اور اس چیز کی جانب اپنی آنکھ نہ اٹھاؤ جس سے ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو نفع دیا وہ دنیوی زندگی کی آرایش ہے تاکہ ہم ان کو اس میں آزمائیں، اور تمہارے رب کی دی ہوئی روزی بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوا: ایحسبون انما نمدهم به من مال وبنین، نسارع لهم فی الخیرات، بل لا یشعرون، (۲۳ : ۵۵ و ۵۶) کیا یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال اور اولاد سے امداد کئے جارہے ہیں تو ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں، بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے۔

کذب آفرینی

(۵۶) وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ (۵۷) لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ○	اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بیشک وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں، اگر کہیں پناہ، یا کوئی غار، یا گھس بیٹھنے کی جگہہ پالیں تو اس طرف باگیں تڑا کر دوڑ پڑیں۔

منافقین کی عام عادت یہی ہے کہ قسمیں کھا کر اپنی باطل پرستی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہیں، حالانکہ وہ خوف و دہشت سے سہمے جاتے ہیں، اور سچی بات زبان سے نہیں نکال سکتے، اسلئے کہ اگر ان میں ہمت ہوتی تو اللہ کے نام پر جان دینے سے جی نہ چراتے، گویا ان کی اصلی حالت یہ ہے کہ صرف دکھانے کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے، ان کے تمام رشتہ دار بھی اتفاق سے مسلمان واقع ہوئے ہیں، اگر انہیں موقع ملجاتا تو فوراً اسلام کو خیرباد کہدیتے، اب صرف گردوپیش کی مجبوریوں نے ان کو مسلمان بنا دیا ہے!

بندگانِ زر

اب ایسے لوگوں کا تذکرہ آتا ہے جو جہاد سے صرف اسلئے بھاگتے ہیں کہ انہیں روپیہ نہیں ملتا، اگر آج روپیہ مل جائے تو ہر طرح کی خدمت کو تیار ہیں، گویا وہ روپیہ کے بندے ہیں:

(۵۸) وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا۟ مِنْهَا رَضُوا۟ وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا۟ مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ، (۵۹) وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا۟ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَقَالُوا۟ حَسْبُنَا ٱللَّهُ سَيُؤْتِينَا ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ وَرَسُولُهُۥٓ إِنَّآ إِلَى ٱللَّهِ رَٰغِبُونَ ○

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو تم پر خیرات بانٹنے میں طعن کرتے ہیں، پس اگر اس میں سے ان کو دیا جائے تو راضی ہوتے ہیں، اور اگر نہ دیا جائے تو فوراً ہی ناخوش ہوجاتے ہیں، اور کیا اچھا ہوتا اگر اس پر راضی ہوجاتے جو اُن کو اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے، اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے، ہمیں آئندہ اپنے فضل سے وہ اور اس کا رسول بہتیرا دیگا، اور ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔

جب غزوہ حنین کا مال غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان لوگوں کو زیادہ دیا جو ابھی حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے، اس پر

ذوالخویصرہ نے کہا: اعدل فانک لم تعدل، عدل کیجئے، آپ ناانصافی سے کام لے رہے ہیں، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: لقد خبت وخسرت ان لم اکن اعدل، اگر میں عادل نہیں تو دنیا میں اور کون عدل کا دعوی کرسکتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

صدقات وخیرات کی تقسیم امیر کی مرضی پر ہوتی ہے، اگر اسے خیال ہے کہ فلاں جگہ اتنا روپیہ صرف کرنے سے مسلمانوں کو بے انتہا فوائد حاصل ہونگے تو قانون شریعت میں اس کی گنجائش ہے، اور کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ وہ امیر پر اس امر میں اعتراض کرے، کاش یہ نکتہ چینی کرنے والے ذرا عقل سے کام لیتے، مگر ان کی حالت یہ ہے کہ اگر روپیہ مل جائے تو خوش ہیں ورنہ سب سے زیادہ مخالف، ان کے لئے مناسب یہ تھا کہ امیر کی تقسیم پر رضامندی کا اظہار کرتے، جو کمی رہ جاتی وہ بھی کسی نہ کسی طرح پوری ہوجاتی، مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ وہ میدان جنگ میں صرف قانون الہی بلند و برتر کرنے کے لئے جاتا ہے، دولت کا حاصل کرنا اس کا مقصد نہیں ہوتا: انا الی اللہ راغبون اس کا طغرائے امتیاز ہے۔

مصارف صدقات

(۶۰) إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

بس زکوٰۃ تو فقیروں، محتاجوں، ان کارکنوں جو خیرات وصول کرنے پر مقرر ہیں، اور جن کے دلوں کا پرچانا منظور رہے کا حق ہے، اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور قرضداروں کے قرضہ میں، اور اللہ کے راستہ، اور مسافروں میں، یہ اللہ کا ٹھیرایا ہوا ہے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ہر قسم کے جھگڑوں کو دور کرنے کے لئے خیرات کے مصارف معین کئے جاتے ہیں،

لیکن پھر بھی امام کو اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے، خواہ وہ ایک ہی جگہ تمام روپیہ خرچ کر دے یا سب کو برابر دیدے، یہی امام مالک، ابو حنیفہ، عمرؓ، حذیفہ، ابن عباس، ابوالعالیہ، سعید بن جبیرؓ اور میمون بن مہران رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے، بلکہ ابن عبدالبر نے تو اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

فقیر، وہ شریف آدمی جو باوجود مفلس ہونے کے اپنی حاجت دوسروں کے پاس نہ لیجائے، اور کسی پر اپنی غربت کا اظہار نہ کرے۔

مسکین، جس کا افلاس ظاہر ہو چکا ہو، اور عام لوگوں کو اس کی ضروریات کا علم ہو جائے، ابن عباس، حسن، مجاہد اور عکرمہ کی یہی رائے ہے، اسی کو ازہری اور ابن شیبان نے اختیار کیا ہے۔

فی الرقاب، جو لوگ اس وقت غلام ہیں ان کو آزاد کر دیا جائے، جہاں غلاموں کی تجارت ہوتی ہے اس کو بند کرا دیا جائے، اسلامی حکومتوں کو مخالفین اسلام آہستہ آہستہ اپنے قبضہ میں لا رہے ہیں، ان کو غیروں کی چالوں اور سیاسی فریب کاریوں سے آگاہ کرنے کے لئے باقاعدہ تبلیغ و دعوت کی جائے، اور سب کو آزادی حاصل کرنے کے لئے تیار کیا جائے، ان تمام کاموں پر اسی مد سے روپیہ صرف ہوگا۔

فی سبیل اللہ، مجاہدین فی سبیل اللہ کی اعانت، حدود مملکت کی نگرانی، دوسرے مصالح ملکی، اور اشاعت اسلام کے تمام فرائض بھی اسی سے سرانجام پاتے تھے۔

رسول پر نکتہ چینی

(۶۱) وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ	اور بعض ان میں ایسے ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کان ہے، کہدو کان تمہارے بھلے کو ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور انکے حق میں رحمت ہیں جو

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ | تم میں سے ایمان لائے، اور جو اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر نکتہ چینی کرنا اپنا فرض قرار دے رکھا تھا، اور اپنی کج فہمی کی وجہ سے آپ کی سودمند تعلیم کے ایسے پہلو تلاش کرتے رہتے جو محل اعتراض بن سکیں، اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی سے کام لے تو عمدہ سے عمدہ قانون میں بھی شک پیدا کیا جا سکتا ہے، یہ منافقین کہتے کہ رسول اللہ تو کان کے کچے ہیں جو کچھ آپ سے کہا جاتا ہے اس کو فوراً مان لیتے ہیں اور ذاتی رائے نہیں رکھتے، اس پر فرمایا گیا کہ رسول کا ہر اچھی بات قبول کر لینا تمہارے لئے باعث رحمت ہے، ورنہ اگر آپ اپنی طبیعت پر رہتے، اور اپنے معیار پر لوگوں کو پرکھتے تو ایک آدمی بھی اس قابل نہ نکلتا جو آپ سے فیضیاب ہو سکتا، آپ تو اپنے اوپر جبر کر کے اپنے بلند ترین مرتبہ سے نیچے اترتے ہیں، اور یہ لوگ اپنی بدطینتی کی وجہ سے اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

(۶۲) يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۶۳) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ | تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو راضی کر لیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو راضی کریں اگر ایمان رکھتے ہیں، کیا وہ نہیں جان چکے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیگا، یہی بڑی رسوائی ہے۔

یہ لوگ اس درجہ احمق بن گئے ہیں کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی ہر کوشش صرف کر دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کی پروا تک نہیں کرتے حالانکہ اصل چیز وہی تھی، اگر ایک شخص تعلیم کو تو اچھی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر معلم کا ادب نہیں کرتا

تو یہ بالکل بے کار ہے۔

(۶۴) يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ○

منافق ڈرتے ہیں کہ مبادا مسلمانوں پر ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کو بتا دے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، کہدو اچھا تمسخر کرتے رہو اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس بات کا تم کو ڈر ہے۔

گزشتہ آیت میں بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ تو رسول کو اذن کہتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک یہی پسندیدہ چیز تھی، اذن کے دو معنی ہیں، ایک تو کانوں کا کچا، اور اسی معنی میں منافقین نے یہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کیا تھا، اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ باوجود دانش و بینش کے کسی شخص کو بلا کسی قوی قرینہ کے جھوٹا نہ سمجھے، اس طرح کا اذن ہونا جس کو قرآن حکیم مزید وضاحت کے طور پر اذن خیر کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری تھا۔

منافقین اس بات کا خیال کرکے کہ ان کے مکر و فریب کا تار و پود بکھیرا جا رہا ہے سہمے جاتے تھے، قرآن حکیم میں اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور اس لئے ارباب نفاق کے نام معین کرکے نہیں بتائے گئے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی تو کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ان مخالفین کی خطرناک کارروائیوں پر بالکل پردہ ڈال دیا جاتا، لہذا قرآن حکیم نے حسب موقع مومنین کو اس خبیث جماعت کی طرف سے ہوشیار کرنے میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ایک جگہ آتا ہے: واذا جاء وك حيوك بما لم يحيك به الله لا ويقولون في انفسهم لولا يعذبنا الله بما نقول ط حسبهم جهنم ج يصلونها فبئس المصير (۵۸ : ۸)

اور وہ لوگ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم کو ایسے کلمہ سے دعا دیتے ہیں جس سے اللہ نے تم کو دعا نہیں دی، اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اس کلمہ پر جو ہم کہتے ہیں اللہ ہم کو عذاب کیوں نہیں دیتا، ان کو جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہونگے، پس وہ بری جگہ ہے،

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: ام حسب الذین فی قلوبھم مرض ان لن یخرج اللہ اضغانھم ○ ولو نشاء لارینکھم فلعرفتھم بسیمٰھم ولتعرفنھم فی لحن القول ط (۴۷: ۲۹ و ۳۰) وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے کیا وہ خیال رکھتے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ہرگز ظاہر نہ کریگا، اور اگر ہم چاہیں تو تم کو وہ لوگ دکھا دیں، پس تم ان کے چہرے سے پہچان لو، اور طرز کلام میں تم ضرور ان کو پہچان لوگے۔

تمسخر و استہزا

(۶۵) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ط قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (۶۶) لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○

اور اگر ان سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ ہم تو محض مشغلہ اور کھیل کر رہے تھے، کہدو کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے، بہانے نہ بناؤ تم ایمان لاکر کافر ہوگئے، اگر ہم تم میں سے بعض کو معاف بھی کر دیں، تو دوسروں کو سزا بھی ضرور دینگے اسلئے کہ وہ خطاوار تھے۔

جب ان کے اس اعتراض کو سنجیدگی کے ساتھ حکیمانہ طور پر رد کر دیا گیا تو عاجز آکر کہنے لگے کہ ہم نے تو ویسے ہی مزاحاً یہ لفظ کہدیا تھا، اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ کلام الٰہی کے ساتھ اس قسم کا استہزا صاف بے ایمانی کی دلیل ہے، اب تمہارا عذر لنگ مسموع نہیں ہوسکتا کیونکہ تم جان بوجھکر گناہ کے مرتکب ہو چکے تھے، اور اگر تم میں سے بعض نادانوں کو معاف بھی کر دیا گیا تو بھی تمہارے سرگروہ سزا سے نہیں بچ سکتے۔

(۶۷) اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے، برُے کام کا حکم دیتے ہیں، اور بھلے سے منع کرتے ہیں، اور مٹھیاں بھینچ بھینچ لیتے ہیں، یہ لوگ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو بھلا دیا، بیشک منافق ہی

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۰ (۶۸) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۶۹) كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۰

فاسق ہیں، اللہ نے منافق مردوں، اور منافق عورتوں، اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا، اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہی انکو کافی ہے، اور ان پر اللہ نے لعنت کی، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے، جیسے تمہارے اگلے تھے کہ تم سے زیادہ زور میں تھے، اور مال اور اولاد زیادہ رکھتے تھے، تو وہ اپنے حصے کے فائدے اٹھا گئے، سو تم نے بھی اپنے حصہ کے فائدے اٹھائے، جیسے تم سے پہلوں نے اپنے حصے کے فائدے اٹھائے تھے، اور تم بھی ایسی باتوں میں گھسے، جیسے وہ گھسے تھے، ان کا یہ حال ہوا کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہو گئے اور وہی نقصان میں ہیں

اتحاد مقصد کے اعتبار سے منافق مرد و عورت یکساں ہیں کہ دونوں کی غرض مسلمانوں کو مرکزی قوت کی حفاظت اور فریضۂ جہاد سے روکنا ہے، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے انہیں بڑی ہی سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے، انہوں نے ان فرائض کو فراموش کر دیا جو ان کے لئے زندگی بخش تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اب ان چیزوں کو مفید سمجھ رہے ہیں جو ان کے لئے مضرت کا باعث ہیں ۰ انہوں نے عین ضرورت کے وقت اسلام کی مدد نہ کی، پس خدا بھی عین ضرورت کے وقت ان کی حاجت روائی نہ کریگا، ان لوگوں کا اصلی مقصد قانون توڑنا ہے، اس لئے ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں جس سے قانون خود بخود ٹوٹ جائے، جو لوگ حفاظت اسلام کا خیال ترک کر دیں، جہاد فی سبیل اللہ سے نفرت کریں، اور محض زبانی دعوی اسلام کرتے پھریں، ان میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں

رہنا جو اسلام کی جانب رخ تک نہ کریں پھر گزشتہ امتوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ ان کا کیا انجام ہوا۔

تذکیر بایام اللہ

(۷۰) اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۷۱) وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۷۲) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

کیا ان کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہونچی جو ان سے پہلے تھے، نوح کی قوم، اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم، اور مدین کے لوگ، اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے، ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لیکر آئے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے، اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، نیک کام کا حکم کرتے ہیں، اور برے کام سے منع کرتے ہیں، اور نماز قائم رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائیگا، بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے، اللہ نے مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہینگے، اور دائمی بہشت میں نفیس مکانوں کا، اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑھکر یہی بڑی کامیابی ہے۔

ان گزشتہ اقوام کے حالات پڑھو جو شام، عراق اور یمن میں آباد تھیں یہ سو لوگ کی

نافرمانی کرنے سے ان پر کیسے کیسے عذاب نازل ہوئے، یہ ہے مومن مرد اور عورتیں وہ جسم واحد کی طرح ہیں، حدیث میں آتا ہے: المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا وشبک بین اصابعہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم گرملا کر فرمایا کہ اس طرح ایک مسلمان دوسرے کی قوت کا باعث ہوتا ہے، دوسری روایت میں آتا ہے: مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسھر، باہمی محبت کے اعتبار سے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں ایک عضو کو تکلیف پہونچتی ہے تو اس کو تمام جسم محسوس کرتا ہے، یہ لوگ اصولی امور کو ہمیشہ پہلے لیتے ہیں، قرآن کی حفاظت ان کا اوّلین کام ہے، جہاد کرکے مرکزی قوت کو کمزور ہونے سے بچاتے ہیں، اللہ تعالےٰ ان کو دنیا میں عزت نوازش کریگا، اور یہ بات اس عزیز وحکیم کے نزدیک کچھ بھی نہیں، مگر چونکہ ایک وفادار بندے کے لئے مالک کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے، اس لئے ارشاد ہوگا کہ آیندہ تم احکم الحاکمین کی خوشنودی سے ہمیشہ سرفراز ہوگے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ حدیث میں آتا ہے: ان اللہ یقول لاھل الجنۃ، یا اھل الجنۃ! فیقولون لبیک ربنا وسعدیک والخیر فی یدیک فیقول ھل رضیتم، فیقولون ربنا ومالنا لا نرضی وقد اعطیتنا مالم تعطہ احدا من خلقک، فیقول الا اعطیکم افضل من ذلک، قالوا یا ربنا وای شیء افضل من ذلک، قال احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابدا، (بخاری)

اللہ تعالیٰ اہل جنت سے کہیگا کہ کیا تم راضی ہو، وہ جواب دینگے کہ ہم کیوں نہ راضی ہوں، یہ نعمتیں تو اب تک کسی کو بھی نہیں دی گئیں، اس پر رب الارباب فرمائیگا کہ میں تمہیں اس سے بھی بہترین چیز نوازش کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اب ہم تم سے کبھی ناراض نہ ہونگے،

الجہاد فی سبیل اللہ

جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگنے کی فکر میں رہتے ہیں ان کے بیشتر اقسام کا تذکرہ آچکا لیکن اس درمیان میں ایک اور جماعت پیدا ہو جاتی ہے جس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مجاہد ہی پیدا نہ ہوں، کیونکہ اگر حکومت کو مجاہد مل گئے تو اس گروہ کی ذلت ہوگی، اور لوگ یوں طعنہ زنی کرینگے کہ دیکھو تم تو پیچھے رہ گئے مگر دوسرے سرفروش میدان عمل میں تم سے آگے نکل گئے، اس لئے وہ طرح طرح کے حیلے بناتے ہیں، اور مختلف قسم کی رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کبھی مسلمان نہیں کہا جا سکتا، بلکہ انکو کفار کے ساتھ ملا دیا جائیگا، ان کے متعلق حکم ہوتا ہے:

(۷۳) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۷۴) يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو، اور ان پر سختی کرو، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے، اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے تو نہیں کہا، حالانکہ بیشک انہوں نے کفر کا کلمہ کہا، اور مسلمان ہوئے پیچھے کافر ہو گئے، اور ایسی چیز کا قصد کیا جسکو نہ پایا، اور یہ سب اس کا بدلا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو دولتمند کر دیا، سو اگر توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہے، اور اگر روگردانی کریں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دیگا اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی حامی ہوگا، اور نہ مددگار۔

ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی ترقی رک جائے، اس لئے قیام سلطنت کی خاطر کفار کے ساتھ تلوار سے، اور حفاظت دین کے لئے منافقین کے ساتھ زبان سے جہاد کیا جائے،

حاکم کے لئے بسا اوقات اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ شریروں کو بھی اپنے ساتھ نباہ سکے، علاوہ ازیں منافقین بالکل کفر صریح کے تو مرتکب نہ تھے اس لئے اسلام کے ظاہری اقرار نے ان کو تلوار کے جہاد سے بچالیا، اسباب نفاق کے ساتھ صرف زبان سے جہاد ہو سکتا ہے، یہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے ہے، اور اسی کو ابن جریر نے ترجیح دی ہے، ان کا مقابلہ نہایت ہی سختی سے کرنے کی ضرورت ہے ورنہ انکی ہمتیں بڑھ جائینگی۔

یہ لوگ بارہا اپنی زبان سے ایسے کلمات نکال دیتے ہیں جو ان کے نفاق پر صراحۃً دلالت کرتے ہوں، ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا: لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل، (۶۳: ۸) اگر ہم مدینہ کو واپس لوٹے تو ہم ان ذلیل مسلمانوں کو شہر سے نکال باہر کر دینگے۔ جب ان سے اس کے متعلق بازپرس کی جاتی ہے تو صاف انکار کر دیتے ہیں، اسی غزوہ تبوک ہی میں ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تنگ راہ میں سے گذریں تو آپ کو گھاٹی میں گرادیں، مگر عین وقت پر آپ کو اطلاع ہو گئی، اور اس لئے وہ بھاگ گئے، بنو نضیر نے بھی ایک مرتبہ کوشش کی کہ چکی کا پاٹ آپ پر گرا دیں، مگر وہاں سے بھی اللہ تعالےٰ نے بچالیا۔

ان لوگوں کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ بالکل عاجز و درماندہ اور مفلس تھے، اسلام نے ان پر نوازش ہائے گوناگوں کیں، اور آج یہ محسن کش اسلام کی خدمت کرنے کی بجائے اس کے بالکل دشمن بن گئے ہیں، اگر اب بھی یہ توبہ کریں، اور ملک و ملت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرلیں تو بہتر، ورنہ مسلمانوں کو ترقی دیکر انہیں ذلیل کر دیا جائیگا، اور پھر اسوقت کسی کو طاقت نہ ہوگی کہ ان کی مدد کر سکے۔

بخیل لوگ

(۷۵) وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ | اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے

اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۷۵) فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (۷۶) فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ (۷۷) اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ٥

اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہم کو دیگا تو ہم ضرور خیرات کیا کرینگے، اور نیک بندے بن جائینگے، پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا تو بخل کرنے لگے، اور ٹال کر پھر گئے تو اسکے نتیجہ میں اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک نفاق رکھدیا کہ وہ اللہ سے ملینگے، اسلئے کہ انہوں نے اللہ سے اس وعدہ کا خلاف کیا جو اس سے کیا تھا، اور اسلئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے، کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ ان کا بھید اور سرگوشی جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ غیب کی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے؟

اب تک مختلف قسم کے لوگوں کا تذکرہ آچکا ہے جو جہاد سے بچنا چاہتے ہیں، انہیں سے آخری قسم کے ارباب نفاق یہ ہیں جو اللہ سے تو عہد کرتے ہیں کہ اگر اس نے انہیں مالامال کر دیا تو وہ ضرور اس کی راہ میں قربانی کرینگے، اور نیک بن جائینگے، لیکن جس وقت ان کو دولت مل گئی تو بخل شروع کر دیتے ہیں، انہوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا، اور تمام عمر جھوٹ بولنے میں بسر کی، اس جرم کی وجہ سے ان کے دل میں ہمیشہ اس بات کا ڈر رہیگا کہ اللہ ان پر عذاب نازل نہ کر دے، ظاہر ہے کہ ان کی یہ حرکتیں اللہ پر مخفی نہیں رہ سکتیں،

مسلمان کی تو ہر چیز خدا کے ہاتھ میں بک چکی ہے: ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ، (۹: ۱۱۱) بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے خرید لیا۔ دولتمندوں کا حال تو اسی قسم کا دیکھا گیا ہے:

امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے — زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

(۷۹) اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۸۰) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝

یہ ایسے ہیں کہ دل کھول کر خیرات کرنے والے مسلمانوں، اوران لوگوں پر طعن کرتے ہیں جنکو مزدوری کے سوا اور کچھ میسر نہیں آتا، پھران پر ٹھٹھے کرتے ہیں، اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے، اوران کے لئے دردناک عذاب ہے، انکے لئے تم مغفرت کی دعا کرو، یا نہ کرو، اگر تم ان کے حق میں ستر مرتبہ استغفار کروگے تب بھی اللہ ان کو ہرگز نہ بخشیگا، یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا کفر کیا، اور اللہ فاسق لوگونکو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

جنگ تبوک کی تیاری کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانونکو مالی قربانی کی دعوت دی، تو ہرایک صحابی نے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ لاکر پیش کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال ومتاع پیش کردیا، آپ نے ان سے پوچھا:
ما ابقیت لاھلك، اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ آئے، اُنہوں نے جواب دیا:
ابقیت لھم اللہ ورسولہ، اللہ اور اسکے رسول کو:

آنکس کہ ترا بخواست، جاں را چہ کند؟
فرزند وعیال وخاناں را چہ کند؟
دیوانہ کنی ھردو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہردو جہاں را چہ کند؟

منافقین کی حالت یہ تھی کہ ہرایک مسلمان پر آوازے کستے، اگرایک دولتمند مسلمان بہت سا سامان لیکر آتا تو کہتے کہ صرف لوگوں کو دکھانا مقصود ہے، اوراگر کوئی

غریب مسلمان تھوڑی سی کھجوریں لاتا تو کہتے، خدا کو ان کی کیا ضرورت ہے، بخاری نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے: لما نزلت آیۃ الصدقۃ کنا نتحامل علی ظہورنا، فجاء رجل فتصدق بشئی کثیر، فقالوا مرائی وجاء رجل فتصدق بصاع، فقالوا ان اللہ لغنی عن صدقۃ ھٰذا، جب آیۃ الصدقہ نازل ہوئی تو ہم صدقات اپنے کندھوں پر لاد لاد کر دربار رسالت میں حاضر کرتے، بڑی رقم لانیوالے کو یہ منافقین ریاکار بتاتے، اور تھوڑا سا صدقہ لانے والے سے کہتے کہ خدا کو اس کی کونسی ضرورت ہے۔

ان ارباب نفاق کی اصلی خرابی یہ ہے کہ خود اپنے عہدوں کے پابند نہیں بنتے، اور جو مخلص مسلمان اپنے شوق سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، ان بدبختان ملت کا مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ترقی نہ کرنے دیں، اور قرآن یہ چاہتا ہے کہ فرزندان اسلام زندہ رہیں، پھر جو لوگ اسلام تباہ کرنے کی فکر میں ہیں ان سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا، چونکہ یہ نالائق مرکزی نقطہ سے ہٹ گئے ہیں اسلئے اب کوئی عمل صالح ان کے لئے نفع بخش نہیں ہو سکتا، اور چونکہ انہوں نے مسلمانوں کو برباد کرنے کی کوشش کی اس لئے عذاب الٰہی سے کوئی چیز ان کو نجات نہیں دیسکتی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ بھی ان کے لئے رحمت کے دروازے نہ کھول سکیگی،

اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ اگر آپ ستر مرتبہ توبہ کریں تو بھی اس کو شرف اجابت نہ بخشا جائیگا، تو اس سے یہ خیال نہ آنے پائے کہ اس سے کوئی مخصوص عدد مراد ہے، اور اس سے زیادہ توبہ کرنے پر ان کی مغفرت ہو جائیگی، بلکہ اہل عرب اس عدد کو بیان کر کے کثرت مراد لیتے ہیں، اور وہی یہاں مقصود ہے، غرض یہ ہے کہ ان جرائم کے بعد ان کے لئے توبہ کسی طرح بھی قبول نہیں ہو سکتی۔

باب (۳)

فصل اوّل

السّابقون الاوّلون

پیچھے رہنے کا نتیجہ

جہاد فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ رہنے کی کوشش کرنے والوں کا تذکرہ ختم ہو گیا، اب بتایا جاتا ہے کہ اس فرض جلیل کے ادا کرنے سے باز رہنا، مرکزی قوت کو محفوظ نہ رکھنا، اور اپنے مصالح خصوصی کے اعتبار سے مقاصد ملی کو نظر انداز کرنا کس قدر خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے:

(۸۱) فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (۸۲) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءً

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے، وہ رسول اللہ کے خلاف اپنے بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے اور ان کو برا لگا کہ اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں، اور بولے کہ گرمی میں نہ جاؤ، کہہ دو دوزخ کی آگ زیادہ گرم ہے، کاش یہ سمجھتے، تو وہ تھوڑا ہنس لیں، اور بہت سا رو دیں، بدلہ اس کا جو

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ | کماتے تھے۔

جو لوگ جہاد سے عمداً پیچھے رہ گئے، وہ خود تو اس فرض جلیل کے ادا کرنے سے رہے، مگر دوسروں کو بھی بہکانا شروع کر دیا کہ گرمی کا زمانہ ہے، ریگستان عرب کی حرارت سے جل بھن جاؤ گے، نہ جانا ہی بہتر ہے، یہ پیچھے تو رہ گئے لیکن انہیں اس بات کا خیال نہ آیا کہ ہم اس نازک ترین موقع پر مسلمانوں کو دہوکا دے رہے ہیں، انہیں اب تک ہم پر اعتماد رہا، اب محض گرمی کا بہانہ کر کے رک جانا کس قدر بے ایمانی ہے؟ اگر یہ تھوڑی سی کوشش کرتے، اور اس تکلیف کو برداشت کر لیتے تو بچ سکتے تھے، اب پیچھے رہ کر جہنم کی آگ کے مستوجب ہوئے، مسلمان تو اپنے جذبۂ اخلاص سے مجبور تھے، باوجود شدت حرارت جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ان چند ایام تک منافقین خوش ہو لیں، جب وہ لوگ واپس آجائینگے تو انہیں ہمیشہ کے لئے رونا پڑیگا۔

(۸۳) فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ إِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ،

تو اگر تم کو اللہ ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لیجائے پھر یہ تم سے نکلنے کی اجازت چاہیں تو کہدینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز کبھی نہ نکلو گے، اور نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے لڑو گے، تم کو پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند آیا تو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو

(۸۴) وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ،

اور ان میں سے جو مر جائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو، بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا کفر کیا، اور فاسق ہی مر گئے۔

(۸۵) وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ؕ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

اور انکے مال اور اولاد تمکو تعجب میں نہ ڈالیں، بس اللہ چاہتا ہی کہ انکے سبب دنیا میں انکو مبتلاے عذاب رکھے، اور انکی جان نکلے، اور وہ اسوقت بھی کافر ہوں۔

یہ لوگ اس درجہ پر آ گئے ہیں کہ ان کو دوبارہ مسلمانوں میں شریک کرنا خلاف مصلحت ہوگا، کیونکہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہیگی کہ ایک ایک کرکے مسلمانوں سے بدلہ لیں، وہ اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کی فکر میں رہینگے، اور کہتے پھرینگے کہ ہم نے اس وقت خوب دانشمندی سے کام لیا، اس لئے جس وقت آپ ان منافقین کی طرف لوٹ کر آئیں تو باوجود ان کی درخواست کے ان سے فرما دیجئے کہ اب تمہاری امداد کی ضرورت نہیں، تم نے پہلے عین وقت پر دہوکا دیا، اس لئے اب تم پر اعتماد کرنا خلاف عقل ہے، جب تم نے دیکھا کہ ہم کامیاب ہوگئے ہیں تو محض نام کی خاطر ہمارے شریک کار ہونا چاہتے ہو،

بخاری نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ جس وقت عبداللہ بن ابی راس المنافقین مرگیا تو اسکے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کفن کے لئے اپنا قمیص نوازش کیجئے، اور نماز جنازہ بھی آپ ہی پڑھائیے، آپ اس غرض کے لئے تشریف لے چلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن کھینچکر عرض کیا: یارسول اللہ! تصلی علیہ وقد نھاك ربك ان تصلی علیہ، آپ کو تو اسپر نماز پڑھنے سے اللہ تعالی نے روک دیا ہے، آپ نے فرمایا: انما خیرنی اللہ فقال استغفرلھم اولا تستغفرلھم ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم وسازیدہ علی السبعین، مجھے خدا نے اختیار دیا ہے کہ مغفرت طلب کروں یا نہ کروں، ستر مرتبہ تک تو وہ نہیں بخشیگا، اور میں اس سے زیادہ استغفار کرونگا، حضرت عمر نے پھر عرض کیا کہ وہ منافق ہے، مگر باوجود اس کے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ چونکہ وہ کفر کی حالت میں مرے ہیں اس لئے اب نہ نماز کی ضرورت ہے اور نہ توبہ استغفار کی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ جس آیت میں استغفار کی ممانعت کی گئی ہے، اس میں بالکلیہ طلب مغفرت سے روکا گیا ہے، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ستر سے مراد کثرت ہے نہ کسی قسم کی تحدید، مگر غایت شفقت سے آپنے

حضرت عمرؓ کی بات نہ مانی، اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تاآنکہ ممانعت کا صراحۃً حکم نازل ہو گیا، اس کے بعد پھر آپ نے کسی منافق کے لئے نماز جنازہ نہیں پڑھی، ادھر حضرت عبداللہ کی بھی دل جوئی مقصود تھی جو نہایت ہی مخلص اور جاں نثار صحابی تھے۔

منافقت کی بیشتر صورتیں کثرت مال ہی سے پیدا ہوتی ہیں، اس لئے ایسے مالداروں کے الگ ہونے پر مسلمانوں کو ہمت نہ ہارنی چاہیئے،

دولت اور نفاق

(۸۶) وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُوا۟ مَعَ رَسُولِهِ ٱسْتَـْٔذَنَكَ أُو۟لُوا۟ ٱلطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا۟ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَٰعِدِينَ، (۸۷) رَضُوا۟ بِأَن يَكُونُوا۟ مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ، (۸۸) لَٰكِنِ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ جَٰهَدُوا۟ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلْخَيْرَٰتُ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ، (۸۹) أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ○

اور جب کوئی سورت اس حکم کی آتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے اجازت مانگنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ جاؤ، ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں، ان کو پسند آیا کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہ جائیں، اور ان کے دلوں پر مُہر کر دی گئی، سو وہ سمجھتے نہیں، لیکن رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، اور ان ہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں، اور وہی مراد کو پہونچنے والے ہیں، اللہ نے انکے لئے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

جب کوئی ایسی سورت نازل ہو جس میں قرآن حکیم کو دستور العمل بنانے، اور رسول اللہ کی حمایت میں جنگ کرنے کا حکم ہو تو دولتمند جن سے توقع ہی یہی تھی کہ اس

موقع پر اسلام کی خدمت کرینگے، وہی صدہا قسم کے حیلے بنا کر پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شہر کے نظم و نسق کے لئے بہرحال کچھ نہ کچھ لوگ ضرور رہیں گے تو ہمیں بھی ان میں شامل کر دیجئے گویا چوڑیاں پہن کر عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں، اسی حالت کا نقشہ دوسری جگہ یوں کھینچا گیا ہے: فاذا جاء الخوف رایتھم ینظرون الیک تدور اعینھم کالذی یغشی علیہ من الموت، فاذا ذھب الخوف سلقوکم بالسنۃ حداد (۳۳: ۱۹) سو جب خوف کا موقع آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف تکتے ہیں، ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں، جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو، پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تیز تیز زبانوں سے تم پر زبان درازی کرتے ہیں، ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا: فاذا انزلت سورۃ محکمۃ وذکر فیھا القتال رایت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی علیہ من الموت فاولی لھم، (۴۷: ۲۵) پھر جب کوئی واضح سورت نازل کی جائیگی، اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جائیگا تو جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے ان کو تم دیکھوگے کہ تمہاری طرف اس طرح تکتے ہیں جیسے موت سے بیہوش آدمی تکتا ہو، سو ان کے لئے خرابی ہے۔

ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، اب یہ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے، مردانگی کا جوہر ان سے سلب ہو چکا ہے، ادھر ان کے قلب سلیم کی پاکیزگی جاتی رہی اسلئے ان کی طرف سے اعراض کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی جانب توجہ کرنی چاہیے جو اپنی ہر چیز اللہ کے نام پر قربان کرنے کو تیار ہیں، یہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب ہونگے۔

گاؤں کے لوگ

(۹۰) وَجَاءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ	اور دیہاتی بہانہ باز آئے کہ ان کو اجازت مل جائے، اور جنہوں نے اللہ اور اسکے رسول سے جھوٹ

كَذَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۹۱) لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۹۲) وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝

بولا، بیٹھے رہے، ان میں سے جو کافر ہوئے ہیں عنقریب انہیں دردناک عذاب پہنچیگا، کمزوروں، اور نہ بیماروں، اور نہ ان پر جن کو کچھ میسر نہیں کہ خرچ کریں، گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اسکے رسول کی خیر خواہی کریں، نیکوکاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور نہ ان پر کچھ الزام ہے کہ جب تمہارے پاس آئے کہ تم ان کو سواری دیدو، اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کراؤں، تو وہ ایسی حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، اس غم میں کہ وہ نہیں پاتے جو خرچ کریں

انسان کو اپنا طرز عمل ایسا بنانا چاہیئے کہ آیندہ کبھی اس کے متعلق عذر خواہی کی نوبت ہی نہ آئے اس لئے کہ یہ بھی نفاق کا ایک حصہ، اور ملک وملت کی خدمت نہ کرنے کی ابتدا ہے، دیہات کے لوگ آتے ہیں، اور عدم شرکت کے لئے مختلف قسم کے بہانے بناتے ہیں، ایسی ناشائستہ حرکت کرنے والوں کو سخت سزا ملیگی۔ مسلمان تو عنقریب اس ملک کے بادشاہ بن جائینگے، پھر اس وقت جو منافقین کی حالت ہوگی ظاہر ہے، قرآن حکیم نے اس آیت میں جن کو معذور قرار دیا ہے انہیں ضروری ہے کہ وہ اس وقت بھی اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں، حدیث میں آتا ہے، آپ نے فرمایا: الدین النصیحۃ دین خیر خواہی کا نام ہے، صحابہ نے عرض کیا، کس کے لئے، آپ نے فرمایا: للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتہم، اللہ، رسول، قرآن حکیم، ائمہ وامرائے اسلام، اور مسلمانوں کی خیر خواہی کو دین کہتے ہیں۔

جس وقت آیات جہاد نازل ہوئیں تو چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر سواری کا انتظام ہو جائے تو چلنے کو حاضر ہیں، آپ نے اس کا جواب نفی میں دیا تو وہ غم زدہ ہو کر واپس تو ہو گئے مگر رنج و غم کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، ایسے ہی لوگوں کی نسبت حدیث میں آتا ہے: لقد ترکتم بعدکم قوما ماسرتم من مسیر ولا انفقتم من نفقة، ولا قطعتم وادیا، الا وھم معکم فیه، قالوا یارسول الله! وکیف یکونون معنا وھم بالمدینة، فقال حبسھم العذر (ابوداؤد) تبوک میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ایک ایسی جماعت کو چھوڑ کر آئے ہو جو اگرچہ تمہارے ساتھ نہیں، مگر اجر و ثواب میں برابر ہے، صحابہ نے عرض کیا، وہ تو مدینہ میں رہ گئے پھر ثواب میں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ وہ اپنی معذوریوں کی وجہ سے رک گئے ورنہ شوق شہادت اور ولولہ جہاد تم سے کم نہیں رکھتے۔

قابل الزام

(۹۳) اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ وَھُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ، (۹۴) یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْھِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ ؕ وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا	بس الزام کی راہ ان پر ہے جو تم سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں، انہیں پسند آیا کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہ جائیں، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی سو وہ نہیں جانتے، جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو منافق تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے کہدینا کہ عذر مت کرو، ہم تمہارا ہرگز یقین نہ کریں گے، ہم کو اللہ تمہاری خبریں بتا چکا ہے، اور ابھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے کام دیکھیگا، پھر تم اس کی جانب لوٹائے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، (۹۵) سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ط فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ج جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ، (۹۶) يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ج فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ج

جاؤگے جو غائب و حاضر کو جانتا ہے، پھر جو تم کیا کرتے تھے وہ تم کو جتا دیگا، جب تم ان کی جانب لوٹ آؤگے تو تمہارے سامنے وہ اللہ کی قسمیں کھائینگے کہ تم ان سے درگذر کرو، پس تم ان سے درگزر کہو کہ وہ لوگ گندے ہیں، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اسکی سزا جو وہ کرتے تھے، وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائینگے کہ تم ان سے راضی ہوجاؤ، سو تم اگر ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تو نافرمان لوگوں سے راضی ہوتا نہیں۔

اہلِ دولت ہی سے یہ توقع ہوسکتی تھی کہ عین مصیبت کے وقت کام آئینگے، مگر وہ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں، اور اس لئے یہی موردِ الزام بھی ہیں، غزوہ تبوک سے واپسی پر یہ لوگ لاکھ عذر پیش کریں مگر اب ان پر اعتماد نہیں ہوسکتا، رہیں ان کی قسمیں تو وہ صرف اس لئے ہیں کہ دربارِ رسالت میں ان پر عتاب نازل نہ ہو تو آپ ان سے قطع نظر کرلیجئے اس لئے کہ وہ از فرق تا بقدم امراض و مفاسد ہیں، وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ ان سے خوش ہوجائیں، مگر اللہ کی رضا تو انہیں نصیب نہیں ہوسکتی جبکہ یہ ہمیشہ سے قانون شکن رہے ہیں۔

دیہاتی زندگی

(۹۷) اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ، (۹۸) وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ

گنوار کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اور اسی لائق ہیں کہ ان احکام کو نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارے ہیں، اور اللہ سب جانتا حکمت والا ہے، اور بعض گنوار ایسا ہے کہ جو خرچ کرتا ہے اسکو تاوان

يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ، (۹۹) وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

سمجھتا ہے، اور تمہارے حق میں گردشوں کا منتظر رہتا ہے، ان ہی پر گردش بد پڑے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، اور بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے ہیں، اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں، سن لو وہ واقعی ان کے لئے قربت کا سبب ہے، اللہ اپنی رحمت میں انکو داخل کرلیگا، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو لوگ شہروں اور قصبوں کو چھوڑ کر گاؤں اور جنگلوں میں جاکر آباد ہوجاتے ہیں وہ تہذیب اور علم و سیاست سے دور جا پڑتے ہیں، ارباب کمال کی انہیں صحبت نصیب نہیں ہوتی، اور اس لئے تاریکی میں زندگی بسر کرتے ہیں، پھر یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ایک انسان جنگل میں بسیرا ڈال کر اسلامی احکام سے غافل ہوجائے، اور فرائض اسلامی معلوم نہ ہونے پر عین وقت کے وقت عذر خواہی کرنی شروع کردے، ابو داؤد اور بیہقی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے: من بدا جفاء، جس نے دیہات کی زندگی اختیار کی اس میں سختی اور شدت آجائیگی، اس لئے اس آیت میں صحرانشینوں کی مذمت بیان کی گئی کہ اچھی صحبتیں انہیں میسر نہیں آتیں، پھر یا تو وہ ملک و ملت کی خدمت ہی نہیں کرتے، اور یہ کفر ہے، اور جو کرتے ہیں تو زبردستی کی وجہ سے جو نفاق ہے، انہیں چاہئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو غنیمت سمجھتے اور اس سے پورا فائدہ اٹھاتے، پھر جب ان میں یہ جوش نہیں پیدا ہوتا تو وہ اسی لائق ہیں کہ احکام الٰہیہ سے غافل رہیں، اس جہالت کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا پڑتا ہے اسے ناحق کا تاوان خیال کرتے ہیں، اور اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ جلد

مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے کہ اس تاوان سے نجات ملے، مگر ان پر تو کیا گردش آئیگی خود وہی مبتلائے مصیبت ہونگے۔

ان کے مقابلہ میں ان دیہاتیوں کو دیکھو جو مدینہ آتے رہتے ہیں، اور جناب رسالتمآب کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں، وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسکو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ خیال کرتے ہیں، اور اسی لئے ان پر دونوں جہان میں رحمتیں نازل ہونگی۔

السابقون الاولون

(۱۰۰) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○	اور پہلے سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ انکی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ انکے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے یہی بڑی کامیابی ہے۔

ہر نیک کام کی ابتدا مشکل ہوتی ہے، اور جو لوگ اس تکلیف کی حالت میں حق کے لئے سرفروشی کرتے ہیں وہ ہر جگہ معزز و محترم ہوتے ہیں، لہذا اسی راز فطرت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا کہ السابقون الاولون، اور اس سے صحابہ کے کسی خاص گروہ کی تعیین مراد نہیں، گو شعبی کہتے ہیں کہ اس میں وہ صحابہ شامل ہیں جنہوں نے بیعۃ الرضوان میں شرکت کی تھی، ابو موسیٰ اشعری اور سعید بن المسیب کی رائے ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بیت المقدس اور بیت اللہ، دونوں جانب نماز پڑھی، مگر ہماری رائے میں یہ آیت نہ صرف مہاجرین و انصار پر مشتمل ہے بلکہ اس میں قیامت تک کے مسلمان آجاتے ہیں بشرطیکہ وہ اخلاص کے ساتھ ان مہاجرین کے نقش قدم پر چلیں،

سورۂ جمعہ میں آتا ہے: وآخرین منہم لما یلحقوا بہم، اور وہ لوگ بھی جو اب تک ان سے نہیں ملحق ہوئے، سورۂ انفال میں ہے: والذین آمنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم فاولٰئک منکم، اور جو بعد میں دولت ایمان سے مشرف ہو کر ہجرت وجہاد کے فرائض کو ادا کرینگے، وہ بھی تمہارے ساتھ ہیں۔

مختلف اقسام

اگر مہاجرین وانصار کا طریق عمل چھوڑ دیا گیا تو حسب ذیل قسموں کے لوگ پیدا ہو جائینگے:

(۱۰۱) وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ، (۱۰۲) وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۰۳) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ، (۱۰۴) أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، (۱۰۵) وَقُلِ اعْمَلُوا

اور تمہارے گرد و نواح کے بعض گنوار منافق ہیں، اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، تم ان کو نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں، ہم انہیں دوہری سزا دینگے پھر وہ بڑے عذاب کی جانب لوٹائے جائینگے، اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انہوں نے ایک نیک اور دوسرا برا کام ملایا، امید ہے کہ اللہ انپر توجہ فرمائے، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، ان کے مالوں میں سے صدقہ لو کہ اس کے سبب ان کو پاک اور صاف بناؤ، اور ان کے لئے دعا کرو، بیشک تمہاری دعا ان کے لئے تسکین کا سبب ہے، اور اللہ سنتا جانتا ہے، کیا وہ نہیں جان چکے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور وہی صدقات لیتا ہے، اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، اور کہہ دو

فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝	کرعمل کیے جاؤ پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے اعمال دیکھ لینگے، اور اسی کی جانب لوٹائے جاؤ گے جو چھپے اور کھلے کا واقف ہے تو جو تم کر رہے تھے وہ تم کو جتا دیگا۔

ان آیات میں دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے:

(الف) منافقین کی ایک جماعت ہے جو نہ صرف دیہات تک محدود ہے بلکہ اُس کے کچھ آثار مدینہ میں بھی ملتے ہیں، گو تمہیں ان لوگوں کا علم نہ ہو مگر ہم خوب جانتے ہیں وہ ہمیشہ اور ہر جگہ ذلیل ہونگے۔

(ب) دوسرے وہ لوگ ہیں جن میں ابھی تک شریعت کا پورا اتباع نہیں آیا، چونکہ انہوں نے شریعت کی پابندی میں ضرور کچھ نہ کچھ تکلیف برداشت کی ہے اس لئے عجب نہیں اللہ ان کی توبہ قبول کرلے، رہے ان کے برے اعمال تو ان کے جبر نقصان کی یہ صورت ہے کہ ان کے صدقات قبول کئے جائیں کہ اس سے ان کا تزکیہ ہوگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے لئے دعا کرنی چاہیے کیونکہ آپ کی دعا ان میں اور زیادہ اخلاص پیدا کردیگی، یہ لوگ حسن نیت کے ساتھ نیک کام کرتے ہیں ضرور ایک وقت ایسا آئیگا جب تمام مسلمان ان کی قدر کرینگے۔

ان آخری آیات میں دراصل چند ان صحابہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کاہلی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوکر مدینہ پہنچے تو ان لوگوں کو اپنی سستی پر ندامت ہوئی، اور سب نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا کہ جب تک آپ نہ کھولیںگے ہم اسی طرح بندھے رہینگے، آپ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو اصل حقیقت دریافت کی، واقعہ معلوم کرنے کے بعد آپ نے

فرمایا کہ اللہ کے حکم کا انتظار کرو، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ان لوگوں نے کفارہ کے طور پر اپنا تمام مال ومتاع دربار رسالت میں پیش کر دیا کہ اس کو فقرا میں تقسیم کر دیا جائے۔

(۱۰۶) وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○	اور کچھ اور لوگ ہیں کہ ان کا معاملہ اللہ کے حکم پر ملتوی ہے، یا انکو عذاب دے، اور یا ان پر توجہ فرمائے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

(ج) یہ تیسری قسم ہے جن کی نسبت مسلمان کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، ان کے اعمال سے دونوں قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، کبھی یہ خیال آتا ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ ان کاموں کے مرتکب ہوئے ہیں، اگر کوشش کرتے تو اپنی جہالت کو دور کر سکتے تھے، اور کبھی یہ شبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا اخلاص سے کیا، اس لئے ان کے فیصلہ کو خدا کے سپرد کیا جاتا ہے، یہ لوگ ہلال بن امیہ، مرارۃ بن الربیع، اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں جو کاہلی کی وجہ سے جنگ تبوک میں شریک نہ ہو سکے ان کا تذکرہ آگے آئیگا، انشاء اللہ العزیز۔

مسجد ضرار

گزشتہ رکوع میں بتایا گیا تھا کہ مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر چلنے سے کامیابی نصیب ہو سکتی ہے، اس کو ترک کرنے کے بعد مختلف اقسام کے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا، اب ایک ایسی جماعت کا ذکر آتا ہے جو اس مقدس گروہ کے بخط مستقیم مخالف ہے، اور اس کا نصاب ہی بالکل جداگانہ ہے۔

(۱۰۷) وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور جنہوں نے تکلیف پہونچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اس کے لئے

وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (۱۰۸) لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ رہا ہے اور گھات لگانے کو مسجد کھڑی کی، اور اب قسمیں کھانے لگیں گے کہ بجز بھلائی کے ہیں کچھ مقصود نہ تھا، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، تم اس مسجد میں کبھی نہ کھڑے ہو البتہ وہ مسجد جسکی بنیاد اول دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی اس لائق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

بنو خزرج میں ایک شخص ابو عامر راہب تھا جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی بن گیا تھا، اس نے کئی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لیا، مگر ہر مرتبہ ناکام رہا، اور بالآخر جنگ حنین کے بعد شام کی طرف بھاگ گیا، وہاں سے مدینہ کے چند مخصوص منافقین کو لکھا کہ میں شاہ ہرقل کی فوجوں کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہوں، تم ان کے لئے کوئی مناسب مقام پہلے سے تیار کر لو حسن اتفاق سے ابو عامر تو وہیں مرگیا، اور ان لوگوں نے مسجد قبا کے قریب اپنی مسجد بنائی اس کے بنانے میں ان کے مقاصد حسب ذیل تھے:

(۱) مسجد قبا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مہاجرین اور انصار نے بنایا تھا، ایسی مقدس مسجد کو یہ لوگ نقصان پہونچانا چاہتے تھے۔

(۲) تمام اطراب ملک میں کفر و نفاق کی اشاعت کے لئے اس کو مرکز بنانے کی فکر میں تھے۔

(۳) مسلمانوں میں اختلاف کی آگ بھڑکانی چاہتے تھے، ان کی مرکزیت

اور وعدہ مقصد کو ضرر پہونچانا ان کے پیش نظر تھا اور ان کی جماعتوں اور حکومتوں کو ایک دوسرے کا مخالف بنانا ان کی غرض تھی[1]۔

(۴) جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں، اور جو اسلامی حکومتوں سے بغاوت کریں انکو پناہ کی جگہہ مل جائے[2]۔

جب یہ مسجد بن گئی تو ان منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ غزوہ تبوک سے واپس آکر وہاں نماز پڑھونگا، جب آپ اس جنگ سے واپس تشریف لائے۔ تو ان لوگوں نے ایفائے وعدہ کی التجا کی، آپ وہاں جانے کو تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ اگرچہ اس مسجد کے بانی اصلاح کا دعوی کرتے ہیں مگر در اصل اسکے مقاصد نہایت ہی ہلاکت انگیز ہیں، آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں جس کی بنیاد محض پاکیزگی پر ہے، اور جس کے تمام نمازی تقویٰ کی مجسم تصویر ہیں۔

یہ مسجد کونسی ہے؟ اہل علم اس میں مختلف الرائے ہیں، ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ یہ آیت اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی ہے، یہی ابن عباس، عروۃ بن الزبیر، عطیۃ العوفی، عبدالرحمن بن زید بن اسلم، شعبی، حسن بصری، سعید بن جبیر، اور قتادہ کی رائے ہے یہی وہ مسجد ہے جس کو مدینہ آتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے بنایا تھا جس کے قبلہ کی تعیین خود جبرئیل علیہ السلام نے کی تھی، اور جسکی زیارت

---

[1] اگر چشم بصیرت وا ہی تو یورپ کے طرز عمل پر غور کرو، کبھی عربی خلافت کا مسئلہ ہے، کہیں اقوام کی آزادی ہے، کہیں تہذیب اور علم کی اشاعت ہے، اور کسی جگہہ تجارت کے فروغ کی خاطر سڑکیں تیار کی جارہی ہیں، تونس، الجزائر، مراکو، اور ایران اسی کا شکار ہوئے، ترکی سلطنت کے جس قدر حصے الگ ہوئے وہ اسی چالبازی کے نتائج ہیں، فھل من مدکر۔

[2] یورپ کی گزشتہ ایک سو سال کی تاریخ دیکھہ لینا کافی ہے۔

کے لیئے رسول اللہ سوار اور پیدل جایا کرتے تھے، جب اس آیت کو مسجد قبا کے حق میں تسلیم کیا گیا تو مسجد نبوی اس میں بدرجہ اولیٰ شامل ہو جائیگی، اور یہی ہماری رائے ہے۔

جب جناب رسالتمآب کو اس مسجد کے اغراض کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کو گرا کر کوڑا کرکٹ کی جگہہ بنا دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دشمن اپنی ریشہ دوانیوں کے لئے عبادت گاہوں کو سامان حرب اور سیاسی چالبازیوں کا مرکز بنالے تو ان کا گرا دینا ضروری ہوگا، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ایک محلہ میں صرف ایک ہی مسجد ہونی چاہئے کیونکہ دوسری مسجد کے بن جانے سے پہلی مسجد کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

انتباہ

(۱۰۹) اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ‘

بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور خوشنودی پر رکھی ہو، وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی کو ہو، پھر وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا،

(۱۱۰) لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے انکے دلوں میں ہمیشہ شک کا سبب رہیگی، مگر یہ کہ انکے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، اور اللہ واقف حکمت والا ہے۔

ان دونوں مسجدوں کے باہمی فرق کو اور زیادہ واضح کرکے بتا دیا کہ مسجد قبا کی بنیاد رضائے الٰہی کی تلاش اور پاکیزگی پر رکھی گئی ہے، اور مسجد ضرار کے مقاصد ہی جداگانہ ہیں جس کا سوائے بربادی کے اور کوئی دوسرا نتیجہ نہیں نکل سکتا، اس مسجد کی وجہ سے ان منافقین کے دلوں میں نفاق ہمیشہ رہیگا، اور کوئی چیز ان کے قلوب کو پاک نہ کرسکے گی۔

ان آیات نے ہمیں ایک دائمی قانون بتا دیا کہ مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر چلنا کامیابی کا اصلی ذریعہ ہے، اگر اس سے الگ ہوئے تو ناکامی سے دوچار ہونا پڑیگا۔

فصل ثانی

اشاعت جہاد

بہترین سودا

مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر نہ چلنے سے جو نتائج بد پیدا ہو سکتے تھے ان کا بیان آچکا، اب بتایا جاتا ہے کہ السابقون الاولون کے اتباع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کریگا؟

(۱۱۱) اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس قیمت پر خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے، یہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، توراۃ، انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمہ سچا وعدہ ہو چکا، اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون ہے، تو اس بیع پر خوشیاں مناؤ جس کا معاملہ تم نے اللہ سے کیا ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

جو لوگ قرآن حکیم کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، اسکی حفاظت کے لئے

اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، مخالفین کو تلوار کے گھاٹ اُتارتے ہیں، اور خود بھی جام شہادت نوش کرتے ہیں، یہی جنتی ہیں، اور یہ وعدہ ہر کتاب الٰہی میں موجود ہے: اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے، تجھے آسمان پر خزانہ ملیگا، اور آ کر میرے پیچھے ہولے، (متی ۱۹: ۱) کتاب استثنار کا اٹھائیسواں باب تو اسی قسم کے وعدوں سے بھرا ہوا ہے، چند آیات ملاحظہ ہوں: اور ایسا ہوگا کہ اگر تو کوشش کرکے خداوند اپنے خدا کی آواز سنے تاکہ ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھے فرماتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا تجھے زمین کی قوموں کی بہ نسبت سرفراز کریگا، اور جب تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوا ہوگا تو یہ ساری برکتیں تجھ پر آوینگی، اور تجھے پہونچینگی، (استثنار ۲۸ : ۱ و ۲) اور یہ بھی: پس لے اسرائیل سن لے، اور اس کے کرنے پر دھیان رکھ تاکہ تیرا بھلا ہو، اور تم نہایت فراوان ہو جاؤ اس سرزمین میں جس میں شیر اور شہد بہتا ہے، جیسا خداوند تمہارے باپ داداؤں کے خدا نے تم سے کہا ہے، سن لے اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے، تو اپنے سارے دل، اور اپنے سارے جی، اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ - استثنار (۶: ۳ و ۴ و ۵) قرآن حکیم ان وعدوں کی تجدید کرتا ہے،

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو تمام لوگوں نے مسجد میں زور سے تکبیر کہی اتنے میں ایک انصاری مسجد میں آیا، اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا یہ آیت آپ پر نازل ہوئی ہے، آپ نے فرمایا، ہاں - اس نے عرض کیا: بیع ربیح لا نقیل ولا نستقیل، یہ تجارت تو بڑی ہی سود مند ہے، ہم اسے ہرگز واپس نہیں کرینگے -

خارجی علامات

(۱۱۲) اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ | یہ لوگ توبہ کرنے والے، عبادت گزار، حمد کرنیوالے

الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝	اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے، رکوع سجدہ کرنے والے، نیک کام کا حکم کرنے والے اور برے کام سے منع کرنے والے، اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے، اور مومنین کو مژدہ سُنا دو۔

جنگ کے مواقع تو کبھی کبھی آتے ہیں، اس لئے اب وہ علامات بتائی جاتی ہیں جنکی وجہ سے ہر شخص ان سرفروشان ملت کو شناخت کر سکے۔ التائبون، گر گر کر سنبھلنے والے، سب سے پہلے توبہ کا ذکر کیا کہ توبہ کے وقت انسان جان دینے پر پورا آمادہ ہو جاتا ہے، اور یہی العٰبدون کا مطلب ہے، السائحون اشاعت اسلام کے لئے دور و دراز سفر کرنے والے کہ ہر ذی فہم غیر مسلم کے پاس قرآن کی آواز پہنچ جائے، یہ صحیح معنی میں مہاجرین وانصار کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اور انہی کے لئے ہر قسم کی کامیابی ہے۔

دعائے مغفرت نہ کرو

(۱۱۳) مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۱۱۴) وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝	نبی اور مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ انکے قرابت دار ہی ہوں اسکے بعد کہ ان کو ظاہر ہو چکا کہ وہ دوزخی ہیں، اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے مغفرت مانگنا صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس سے کر لیا تھا، پھر جب ابراہیم پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے، بیشک ابراہیم بڑے نرم دل بردبار تھے۔

جب مومن خدا کے ہاتھ میں بک گیا تو پھر اسے یہ جرأت ہی نہیں ہو سکتی کہ معلوم ہونے کے بعد خدا کے کسی دشمن کے لئے رحم کی دعا کرے، اسلام کی اصلی روح یہی ہے:

اشدٓاو علی الکفار رحماء بینہم، خواہ وہ کافر کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے کیوں دعا کی تو اس کا جواب یہ ہی کہ دعائے مغفرت کا وعدہ اس وقت ہوا تھا جس وقت انہیں اپنے باپ کی نسبت پورے طور پر مخالف اسلام ہونے کا یقین نہ تھا، چنانچہ جب انہیں اپنے باپ کے کفر کا پورا یقین ہو گیا تو اس سے فوراً علحدگی اختیار کر لی حالانکہ ایک نرم دل اور حلیم شخص کے لئے باپ سے الگ ہونا سخت دشوار تھا۔

ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھ کر ہماری طرف توجہ کی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے؛ حضرت عمرؓ نے اس رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

انی سالت ربی عزوجل فی الاستغفار لامی فلم یاذن لی فدمعت عینای رحمۃ لھا من النار (مسند امام احمد) میں نے اپنی والدہ کے لئے اللہ سے استغفار کی اجازت طلب کی تو روک دیا گیا، اس پر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

(۱۱۵) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(۱۱۶) اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ کرے بعد اسکے کہ ان کو راہ پر لا چکا ہو جب تک ان کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں؛ بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے، آسمانوں اور زمین کی سلطنت بیشک اللہ ہی کی ہے، وہی جلاتا اور مارتا ہے، اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی ہے اور نہ مددگار

سنت اللہ یہ ہے کہ پہلے ایک قوم کو سیدھا راستہ دکھایا جاتا ہے، اگر صداقت معلوم ہونے کے بعد بھی وہ اس راستہ کو ترک کر دے تو اللہ تعالٰے اس کو اپنی برکتوں سے محروم کر دیتا ہے، پس اگر کفار عرب نے رسول علیہ السلام کے خلاف راہ اختیار

کی، اور مسلمانوں کو ان سے اپنے تمام تعلقات توڑنے پڑے تو سراسر قصور ان کافروں کا ہی اس لئے کہ قرآن نے ان کو کھول کھول کر سب کچھ بتادیا تھا، اور مسلمانوں کو ان کی امداد کی کوئی ضرورت نہیں، وہ اس خدا پر اعتماد کئے ہوئے ہیں جو زمین و آسمان کا مالک ہے، اور جس کے ہاتھ میں موت وحیات کا رشتہ ہے، وہ مسلمانوں کو بہت جلد خلافت کبریٰ تک پہنچا دیگا، اور اگر ان کی استعداد میں کچھ کمی ہوئی تو اس کو پورا کر دیگا۔

اصحاب ثلثہ

(۱۱۷) لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ	اللہ نے نبی، اور ان مہاجرین و انصار پر توجہ فرمائی جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا، اس کے بعد کہ ان میں سے بعض کے دل ڈگمگا گئے تھے، پھر اللہ ان پر مہربان ہوا، بیشک وہ بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

اس کرہ ارضی کی پشت پر بہترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے سخت تکلیف کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، غزوۂ تبوک کے واقعات کو یاد کیجئے جس کو مسلمانوں کی غربت کی وجہ سے جیش العسرۃ اور غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں، قتادہ کہتے ہیں کہ سامان خوراک کی یہ کیفیت تھی کہ دو دو صحابہ میں ایک کھجور تقسیم ہوتی تھی، اور بعض اوقات یہاں تک نوبت پہنچی کہ صرف اس کی گٹھلی چوسنے پر قناعت کرنی پڑی، دوران سفر میں ایک جگہ پانی ختم ہوگیا، قریب تھا کہ لوگ اونٹ ذبح کریں، حضرت ابوبکر نے دربار رسالت میں دعا کے لئے عرض کی، آپ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور اس قدر پانی برسا کہ سب سیراب ہوگئے، ثم ذھبنا ننظر فلم نجدھا تجاوزت العسکر پھر ہم یہ دیکھنے کو لشکر سے باہر گئے کہ کہاں تک بارش ہوئی ہے تو دیکھا کہ لشکر سے باہر اس کا اثر تک نہ تھا، ان حالات میں جن لوگوں نے ساتھ دیا وہ یقیناً اللہ کی بارگاہ رحمت

کے مستحق ہیں۔

(۱۱۸) وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞	اور ان تین شخصوں پر بھی جو ملتوی کئے گئے یہانتک کہ جب زمین باوجود وسعت کے ان پر تنگ ہوگئی، اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہوگئیں، اور سمجھ گئے کہ اللہ کے سوا اور کسی کے پاس پناہ نہیں، پھر ان پر مہربان ہوا کہ توبہ کئے رہیں، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ ہجرت کے نویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے جمع ہو رہی ہے، یہ سُن کر آپ نے بھی تیاری کا حکم دیا، اور تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے کوچ کر دیا، تبوک پہنچنے پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دلیرانہ طیاری کا حال سُن کر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے اس مدافعت میں حقیقی مسلمانوں میں سے صرف تین شخص نہ جا سکے، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، اور مرارہ بن ربیع، یہ دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں، بلکہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے رہ گئے، چلنے کا پورا سامان کر لیا تھا، مگر پوری مستعدی سے کام نہ لیا۔

جب آنحضرت واپس آئے تو منافقین نے آکر عذر پیش کرنے شروع کئے، اور آپ نے ہر ایک کو معاف کر دیا مگر جب یہ تینوں بزرگ حاضر ہوئے، اور سچ سچ عرض کر دیا کہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے آج کل کرتے رہے، اور فوج کے ساتھ ملنے کا موقع نکل گیا تو ان کے فیصلہ کو خدا پر چھوڑ دیا گیا۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے، رسول اللہ کو اگرچہ منافقین کے مقابلہ میں ان کی رعایت یقیناً منظور ہوگی، مگر دقت یہ تھی کہ اہل نفاق تو جھوٹی قسمیں کھا کر اور

عذر کر کے کم از کم ظاہری طور پر قانون کے پابند رہے اور یہ لوگ چونکہ جھوٹ بولنا نہیں چاہتے تھے اور اپنے قصور کے معترف تھے، اس لئے اگر ان کو بھی معاف کر دیا جاتا تو پابندی قانون بازیچۂ طفلاں بن جاتی، علاوہ ازیں چونکہ یہ مخصوص لوگ تھے، ان سے ایسی ضرورت کے وقت اتنی بڑی کمزوری کا اظہار درحقیقت محاسبہ کے قابل تھا اس لئے آپ نے ان کی توبہ قبول نہ کی اور حکم دیا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلہ خداوندی کا انتظار کرو، مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان سے تمام تعلقات منقطع کر دیں نہ کوئی بات چیت کرے، نہ ملے جلے نہ اور کسی طرح کا واسطہ رکھے، پھر ان کی بیویوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہو جائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں،

کعب کہتے ہیں: کنت اشهد الصلوٰة مع المسلمين واطوف بالاسواق فلا يكلمنى احد، مسلمانوں کے ساتھ میں نماز ادا کرتا اور بازاروں میں گشت لگاتا، مگر تمام مدینہ میں ایک شخص بھی مجھ سے بات نہ کرتا، واٰتی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو فی مجلسه بعد الصلوٰة فاسلم واقول فی نفسی احرك شفتيه برد السلام علی اهلا، نماز کے بعد میں آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا، اور دل میں کہتا کہ آپ نے سلام کا جواب دیا ہے یا نہیں، یہاں تک کہ ایک روز تنگ آکر میں اپنے چچیرے بھائی ابوقتادہ کے پاس گیا، مگر اس نے بھی منہ پھیر لیا، اور جواب تک نہ دیا اس پر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس درمیان میں ایک اور حیرت انگیز واقعہ ہو گیا، غسان کے عیسائی بادشاہ کو اس قصہ کی اطلاع ملی تو اس نے کعب کو خط لکھا: فقد بلغنا ان صاحبك قد جفاك وان الله لم يجعلك فی دار هوان ولا مضيعة فالحق بنا نواسك، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی ہے، اب میرے پاس چلے آؤ، دیکھو کیسی عزت ہوتی ہے، کعب بن مالک کو خط ملا تو ایلچی کے سامنے آگ میں جھونک دیا

اور کہا یہ اس کا جواب ہے، اس کی بے التفاتی بھی دوسروں کی محبت و عزت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز و محبوب ہی:

اے جفاہائے تو خوش تر ز وفائے دگراں!

آخر پورے پچاس دن کی گریہ و زاری اور عبادت و استغفار کے بعد ان کی آزمائش پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور مندرجہ بالا آیت نازل کی، جب کعب کو قبولیت توبہ کی مسرت اندوز خبر ملی تو انہوں نے اپنا تمام مال و متاع شکرانہ قبولیت میں لٹا دینا چاہا۔

(۱۱۹) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت میں ان تین صحابہ کی تعریف کی گئی ہے کہ محض صدق اور اخلاص کی بدولت وہ اعلیٰ ترین مراتب تک پہنچے، مومنین کو تاکید کر دی کہ ان کا پورا اتباع کریں، اور سچائی ہی کو ذریعہ نجات جانیں، ادھر منافقین کو تنبیہ ہو گئی کہ صرف جھوٹ بولنے کی وجہ سے تم ناکام ہوئے، اب بھی اگر سچ کو اختیار کر لو تو سب کچھ ہے۔

اعلیٰ ترین طبقہ کے فرائض

(۱۲۰) مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ	اہل مدینہ اور ان کے گرد و نواح کے دیہاتیوں کو مناسب نہ تھا کہ رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں، اور نہ یہ کہ رسول کی جان سے اپنی جانوں کو زیادہ چاہیں، یہ اسلئے کہ ان جہاد کرنے والوں کو اللہ کی راہ میں پیاس، اور نہ رنج اور نہ بھوک نہیں پہونچتی اور نہ ایسے مقام پر چلتے ہیں جو کافروں کو غصہ دلائے، اور دشمن سے کوئی چیز حاصل نہیں کرتے ہیں مگر

لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۲۱) وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

ان کے لئے ان سب پر عمل نیک لکھا جاتا ہے، بیشک اللہ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا، اور کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا خرچ کرتے ہیں، اور کوئی میدان طے نہیں کرتے مگر یہ کہ سب انکے نام لکھ لیا جاتا ہی تاکہ اللہ انکو انکے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ہر متاع عزیز اللہ کے نام پر بیچ چکے ہیں، پس یہ اعلیٰ ترین طبقہ کے افراد ہیں، اور اسلئے ان کے فرائض حیات بھی سب سے بالاتر ہونگے، عام مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اللہ کے ہر حکم کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں، مگر اس اعلیٰ ترین طبقہ کا یہ فرض ہوگا کہ ہر وقت مصروف کار رہے، اور موقع بموقع اسلامی فرائض کی اشاعت کرتا رہے اجب ان فرائض کے ادا کرنے میں یہ لوگ سرگرم کوشش کرینگے تو انہیں ہر ادنیٰ ترین تکلیف کے معاوضہ میں بے انتہا نعمتیں ملینگی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنگ تبوک کے لئے تین سو اونٹ تمام ساز و سامان کے ساتھ دیئے تو رسول اللہ نے فرمایا: ما علی عثمان ما عمل بعد ھذا، اگر اسکے بعد عثمان کوئی نیک کام بھی نہ کرے تو اسکی نجات کے لئے یہی کافی ہے۔

(۱۲۲) وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○

اور یہ ٹھیک نہیں کہ سب کے سب مسلمان نکل کھڑے ہوں پھر کیوں نہ ان کی ہر جماعت میں سے چند لوگ نکلے تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب وہ ان کی جانب لوٹ آئیں تو اپنی قوم کو ڈرائیں تاکہ وہ بچتے رہیں۔

گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسلمانوں کو آرام طلب نہ ہونا چاہیئے، باقی وہ اس کا خوف نہ کریں کہ انہیں ہمیشہ جنگ پر بھیجا جائیگا، کیونکہ خود مصلحت اس امر کی مقتضی ہے کہ کچھ لوگ ضرور پیچھے رہیں جو مجاہدین کے اہل و عیال کی نگرانی کریں، اور ممکن ہے

وہ خدمت تمہارے ہی سپرد ہو جائے، بہرحال ہر جماعت میں سے کچھ لوگ ضرور اپنے گھروں
سے نکل کھڑے ہوں جو علم دین حاصل کرنے کی خاطر برابر آپ کے ہم رکاب رہیں، اور پھر فارغ
ہو کر اپنی قوم کو تعلیم دیں۔

ان آیات پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسلام میں جنگ و جدل کی تعلیم اور ترغیب
ہے، اور یہ اصول اخلاق کے منافی ہے مگر انہیں سوچنا چاہیے کہ کیا دنیا میں شریر لوگ ہیں یا
نہیں، اگر ہیں تو ایک کامل شریعت میں جہاد کی تعلیم ناگزیر ہے، اور جب جہاد واجب ہوا تو اسکے
تمام متعلقات بھی واجب ہوئے، ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فطرت انسانی کا خالق
ہے ہمیشہ اسکی رعایت فرماتا ہے، پس جو چیز زیادہ گراں اور زیادہ ضروری ہوگی اسکی تاکید بھی
نہایت ہی شدید ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جہاد پر سب سے زیادہ زور دیا گیا۔

جہاد کی ابتدا

(۱۲۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ	اے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑتے چلو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جانے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

مسلمانوں کی مرکزی جماعت کا فرض ہے کہ ان کافروں سے جنگ کریں جو انکے بالکل
متصل ہیں، اور اس سختی کے ساتھ لڑیں کہ آخر دشمنان دین بالکل مقہور ہو جائیں، اور سختی کی ضرورت
اس لئے ہے کہ کوئی شخص تم میں سستی نہ پیدا کرسکے، تا آنکہ وہ ملک مسلمانوں سے آباد ہو، پھر اس
جگہ کے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اپنے قریب کے کافروں سے جنگ کریں وھلم جرا تا آنکہ دنیا
کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں قرآن کی حکومت قائم ہو، اس وقت مرکزی جماعت کا فرض
یہ ہوگا کہ ان مجاہدین کے اہل و عیال کی خبرگیری کرے، اور ان کی ہمت افزائی کے لئے ہر قسم
کے ضروری سامان فراہم کرتی رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عرب کو پاک
کیا پھر عیسائیوں کی جانب توجہ کی۔

مسرت و شادمانی

(۱۲۴) وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۱۲۵) وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (۱۲۶) اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (۱۲۷) وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کا ایمان اس سورت نے بڑھا دیا، سو جو ایمان رکھتے ہیں، پس اس سورت نے ان کا ایمان تو بڑھا دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں، اور جن کے دلوں میں مرض ہے تو اس سورت نے انہیں ان کی گندگی پر ایک اور گندگی بڑھائی اور وہ کافر ہی مر گئے، کیا نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایکبار یا دو بار وہ مبتلائے مصیبت ہوتے رہتے ہیں، پھر نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں، اور جب کوئی سورت نازل کیجاتی ہے تو ان میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں، اللہ نے انکے دل پھیر دیئے ہیں، اسلئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

جب قرآن حکیم کی کسی سورت میں لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دی جائے تو اہل ایمان اس حکم کے سنتے ہی مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ ایمان کا بقا ضروری ہے، اور یہ نہیں باقی رہ سکتا جب تک مرکزی قوت کو تمام بیرونی حملوں سے محفوظ نہ کر دیا جائے، اور اس کے لئے جہاد ضروری ہے مگر یہی حکم منافقین کے لئے موت ثابت ہوتا ہے، ان کی خباثت میں اور ترقی ہوتی ہے، وہ جہاد کی مصلحتوں سے واقف نہیں، اور اسلئے کہتے ہیں کہ یہ تو دنیاوی حکومت کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ سال میں چند ایک مرتبہ ضرور اس قسم کے واقعات ہو جاتے ہیں

جو مجبور کرتے ہیں کہ مسلمان اپنی مرکزی حکومت کی حفاظت میں سرفروشانہ اقدام کریں مگر باوجود اس کے ان کی آنکھیں پھر بھی نہیں کھلتیں، بلکہ غلامی ان کے رگ وپے میں اس درجہ اثر کرگئی ہے کہ جہاد کا حکم سنتے ہی فوراً بھاگ جاتے ہیں، اور یہ حیلہ تلاش کرنا چاہتے ہیں کہ کسی قابل اعتماد ذریعہ سے جہاد کی اطلاع تو ملی نہیں پھر شرکت کی کیا ضرورت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک شخص احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دے تو اس کی عقل پر پردے پڑجاتے ہیں وہ نہ تو کسی اچھی بات کو سمجھتا ہے اور نہ اپنے فرائض کی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہے۔

حسبی اللہ

(۱۲۸) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۲۹) فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ	بیشک تمہارے پاس تم ہی میں کے رسول آئے جن پر تمہاری تکلیف شاق گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کے حریص ہیں، ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفیق مہربان ہیں، اس پر اگر لوگ روگردانی کریں تو کہدو کہ مجھ کو اللہ کافی ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

جو لوگ قلب سلیم رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ کا حکم بالکل فطرت انسانی کے مطابق ہے، جہاد کے احکام ایسی ذات قدسی کی طرف سے دیئے جاتے ہیں جو اجنبی نہیں کہ تم سے دشمنی کا اظہار کررہا ہے بلکہ تم ہی میں کا ایک عربی ہے، اور پھر یہی نہیں بلکہ اسے تمہارے ساتھ بے انتہا اُلفت ومحبت ہے، تمہاری ہر تکلیف اس کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہے، اور اسے برابر یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ تمہیں ہر قسم کا فائدہ حاصل ہو، پس جو نبی اس درجہ رحم مجسم ہو اس کی نسبت تمہیں یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی تمہیں ایسا حکم دیگا جو تمہاری تکلیف کا باعث ہو؟ ایسا ہونا غیر ممکن اور محال ہے اسلئے جہاد کا حکم

مقصد وحید

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا

جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ

اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا

بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ؕ

(۲۲-۷۸)

سورۃ الحج کی آخری آیت

یعنی بترتیب سلسلۂ نزول سے سورۃ (۸) الانفال کی ماسبق آیت

رحمت کے منافی نہیں، بلکہ تم غور کرو تو تمہاری حیات اجتماعی ہی اس پر موقوف ہی، اس پر عمل کئے بغیر تم غیروں کی دست برد سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتے، پس تم یقین کرلو کہ جہاد کا حکم تمہارے لئے بے انتہا فوائد اپنے اندر رکھتا ہے: عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم، جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو عجب نہیں وہی تمہارے لئے خیر و برکت کا موجب بن جائے۔

لیکن اگر باوجود ان کھلے کھلے احکام کے پھر بھی تم نے غفلت ہی کام لیا، اور سرفروشان اسلام کی جماعت تیار نہ کی جو ہر وقت اللہ کے نام پر سر دینے کو تیار ہو تو تمہیں یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ رسول اللہ کے لئے صرف ایک اللہ کافی ہے، اس کا اعتماد کسی انسانی قوت پر نہیں، بلکہ اس ذات واحد پر ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے، وہ اپنے قرآن اور کلمۂ حق کی حفاظت کے لئے تم سے بہتر نفوس قدسیہ سارے عالم سے منتخب کرلیگا، حسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر، وہذا آخر ما اردنا ایراده فی تفسیر سورة البراءة واللہ اعلم بالصواب۔ الحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات۔

تصنیفات

خواجہ محمد عبدالحی فاروقی

(۱) بصائر

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات کو اس دلفریب طریق سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ تصویر سامنے آجاتی ہے۔ قرآن حکیم کی تقریباً تمام وہ آیات جو بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہیں اس رسالہ میں آگئی ہیں ایک اعتبار سے یہ بھی **الفرقان** کا ایک حصہ ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ طبع ثانی میں بہت سے مفید مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے قیمت فی جلد صرف چھ آنے (۶/)

(۲) الخلافۃ الکبریٰ

اس میں سورہ بقرہ کی جامع وحاوی تفسیر ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف چند ماہ کے عرصہ میں اس کی کاپیاں تقریباً تمام فروخت ہو گئیں اور اب صرف چند نسخے باقی رہ گئے ہیں، اسکو علمائے کرام، صوفیائے عظام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ، سب نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے قیمت غیر مجلد للعہ مجلد صعہ

زیر تالیف

(۳) ذکریٰ

یہ تیسویں پارہ کی مکمل تفسیر ہے، عام طور پر مسلمانوں کو یہ حصہ یاد ہوتا ہے اور نماز میں اس کی اکثر تلاوت کرتے ہیں۔ اس حصہ میں نہایت تفصیل سے توحید، جزائے اعمال، اور نبوت پر بحث کی گئی ہے اور بہت سے سیاسی مسائل، قوموں کے عروج و زوال کے اصول وضوابط، مجامع ملی کی ترتیب و تنظیم، اور بین الاقوامی زندگی کے قواعد وکلیات بیان کئے گئے ہیں تفسیر کیا ہے علوم و معارف کا مخزن، اور عملی زندگی کے لئے صراط مستقیم ہے۔

(۴) بیان

اس میں آل عمران - کی مفصل ومبسوط تفسیر ہے خلافت اسلامی کے بقاؤ استحکام اور حفظ وصیانت کے لئے مرتب ومدون قانون - ہر دستور العمل کی حکیمانہ شرح وتفصیل، تدبیر منزل اور سیاست مدن کے تمام مسائل پر بحث وتمحیص ہے -

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، علیگڑھ